قال اللہ تبارک وتعالیٰ:

وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ

فضائلِ زبانِ عرب

جس میں عربی زبان کی فضیلت اور اس کے سیکھنے کی اہمیت
قرآن واحادیث کی روشنی میں بیان کی گئی ہے.

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس اللہ سرہ

۱۳۱۵ - ۱۴۰۲ھ
۱۸۹۸ - ۱۹۸۲ء

مکتبۃ البشریٰ

قال اللہ تبارک وتعالیٰ:
وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ

فضائلِ زبانِ عرب

جس میں عربی زبان کی فضیلت اور اس کے سیکھنے کی اہمیت
قرآن واحادیث کی روشنی میں بیان کی گئی ہے.

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس اللہ سرہٗ
۱۳۱۵ - ۱۴۰۲ھ
۱۸۹۸ - ۱۹۸۲ء

مکتبۃ البشریٰ

Inni Uhibuka Fillah

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرات اہل علم، عزیز طلبہ اور معزز قارئین کی خدمت میں گذارش:

الحمدللہ! اس کتاب کی تصحیح کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی غلطی نظر آئے یا کوئی مفید تجویز ہو تو براہ کرم تحریر کر کے ہمیں ضرور ارسال فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت بہتر اور غلطی سے پاک ہو سکے۔

جزاکم اللہ تعالٰی خیراً

مکتبۃ البشری

برائے خط و کتابت: 9-A/1 محمد علی سوسائٹی، بالمقابل عوامی مرکز، شاہراہ فیصل، کراچی۔ 75350

کتاب کا نام : فضائل زبان عربی

تالیف : شیخ الحدیث محمد زکریا رحمہ اللہ

قیمت برائے قارئین : فہرست کتب ملاحظہ فرمائیں۔

سن اشاعت : ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء

ناشر : مکتبۃ البشری چودھری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی پاکستان

Z-3، اوورسیز بنگلوز، گلستان جوہر، کراچی۔ پاکستان

فون نمبر : +92-21-34541739, +92-21-37740738

ویب سائٹ : www.maktaba-tul-bushra.com.pk
www.ibnabbasaisha.edu.pk

ای میل : al-bushra@cyber.net.pk

ملنے کا پتہ : مکتبۃ البشری، کراچی۔ پاکستان

موبائل نمبر : 0321-2196170, 0334-2212230, 0346-2190910
0314-2676577, 0302-2534504

اس کے علاوہ تمام مشہور کتب خانوں میں بھی دستیاب ہے۔

مقدمہ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا وَّمُسْلِمًا. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾.

اور اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنے لگو، شمار میں نہیں لا سکتے۔ (بیان القرآن)

میرے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کا ارشاد ہے کہ لفظِ نعمت کو مفرد یہاں اس لیے لائے ہیں کہ ایک نعمت کے فوائد کا احصا بھی ناممکن اور دشوار ہے۔ اور سچ فرمایا: آنکھ، کان، ناک، ہر عضو ایسا ہے کہ اس کے متعلق اگر انعاماتِ الٰہیہ کا احصا کیا جائے تو ناممکن ہوگا۔ یہ تو عمومی انعامات ہیں، جن میں تقریباً ساری ہی مخلوق شامل ہے۔ لیکن مالک کے خصوصی انعامات بھی لوگوں کے ساتھ اس قدر ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔ اور اس ناکارہ وسیاہ کار پر جس قدر مختلف و مُتنوِّع احسانات بچپن سے لے کر اب تک ہوئے ہیں، ان کا احصا بھی مشکل ہے۔ اور شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا ہو جس پر اس کی سیاہ کاریوں کے باوجود مالک کے مختلف ومتفرق احسانات اس قدر ہوئے ہوں۔ رَبِّ كَمْ مِنْ نِعَمٍ أَنْعَمْتَهَا عَلَيَّ، قَلَّ لَكَ عِنْدَهَا شُكْرِيْ، وَكَمْ مِنْ بَلِيَّةٍ اِبْتَلَيْتَنِيْ بِهَا، قَلَّ لَكَ عِنْدَهَا صَبْرِيْ، فَيَا مَنْ قَلَّ عِنْدَ نِعْمَتِهِ شُكْرِيْ، فَلَمْ يَحْرِمْنِيْ، وَيَا مَنْ قَلَّ عِنْدَ بَلِيَّتِهِ صَبْرِيْ، فَلَمْ يَخْذُلْنِيْ، وَيَا مَنْ رَآنِيْ عَلَى الْخَطَايَا، فَلَمْ يَفْضَحْنِيْ، وَيَا ذَا الْمَعْرُوْفِ الَّذِيْ لَا يَنْقَضِيْ أَبَدًا، وَيَا ذَا النَّعْمَاءِ الَّتِيْ لَا تُحْصٰى أَبَدًا، أَسْأَلُكَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ، وَبِكَ أَدْرَأُ فِيْ نُحُوْرِ الْأَعْدَاءِ وَالْجَبَابِرَةِ.

مالک کے جس قدر مُتنوِّع ومختلف احسانات ہیں ان کے انواع کی فہرست بھی ناممکن ہے۔ اپنی بدکاریوں و بداعمالیوں کے ساتھ اللہ کے اولیا ومقربین کی محبت جو بچپن سے لے کر آج تک روز افزوں ہے، اس کی فہرست بھی لکھوانی ناممکن ہے۔

بچپن میں حضرت قطب الارشاد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں کھیلنا، حضرت کے گھٹنوں پر پاؤں رکھ کر اور گردن میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہوجانا، اور اس پر میرے والد صاحب کا دور سے گھورنا اور اس پر بھی جب مجھ بے وقوف کو تنبہ نہ ہوا تو دوسرے آدمی کو اشارہ کرکے اس کے ذریعے مجھے اُٹھوالینا، حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ عیدین کے موقع پر پالکی میں بیٹھ کر عیدگاہ آنا جانا، جس کے اُٹھانے والے بڑے علماومشائخ ہوتے تھے۔ اور بسا اوقات حضرت کے ساتھ کھانا کھانا اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے برادرِ اکبر مولانا سیّد احمد صاحب (بانیٔ مدرسہ علومِ شرعیہ مدینہ منورہ) جن کا قیام اس وقت گنگوہ میں تھا اور حضرت کے لیے چائے اور گرمی کے موسم میں شربت بنانا ان ہی کے ذمہ تھا۔ اور مولانا مرحوم کی شفقت سے ان دونوں چیزوں میں حضرت کے پس خوردہ کا تنِ تنہا میرا وارث بننا، یہ سب اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔

اعلیٰ حضرت کے خلیفۂ اوّل مُرشدی حضرت اقدس سہارن پوری نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں رجب ۲۸ھ میں حاضر ہوا اور شوال ۳۳ھ تک تو عام خُدّام کی سی حاضری رہی۔ شوال میں حضرت نور اللہ مرقدہٗ بہ معیت حضرت شیخ الہند ایک سال کے لیے حجاز تشریف لے گئے اور ذی الحجہ ۳۴ھ میں واپسی ہوئی۔ اور محرم ۳۵ھ سے ذیقعدہ ۴۵ھ تک بذل اور ڈاک کی وجہ سے ہر وقت کی حاضری تھی۔ اور حضرت قدس سرہٗ کی شفقتیں تو **لا تعد ولا تحصیٰ** رہیں۔ اس کے لیے تو بڑے دفتر چاہییں۔ بہاول پور کے ایک سفر میں ہمارے مدرسے کے ایک مدرّس بھی ساتھ تھے، جن کے میرے سے بڑے خصوصی تعلقات تھے۔ حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تقرب پیدا کرنے کے واسطے انھوں نے میری شکایت کی کہ زکریا جو حضرت کے ساتھ ہر وقت لگا رہتا ہے، اس کا مقصد حضرت کی جگہ پر قبضہ کرنا ہے۔ آپ کو باخبر رہنا چاہیے۔ حضرت ناظم صاحب کو اللہ تعالیٰ بہت بلند درجے عطا فرمائے۔ ان کی شفقتیں اتنی تھیں کہ ان کا بھی شمار نہیں۔ حضرت ناظم صاحب نے اسی سفر میں میرے حضرت سے ان صاحب کی گفتگو نقل کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ حضرت! زکریا اس کا بہت اہل ہے۔ حضرت! اس کو نائب ضرور بنادیں۔ میں اس کی ہر قسم کی اعانت کروں گا اور بہت ہی زیادہ زور دیا۔ میرے حضرت نے فرمایا کہ کہنے والے تو پاگل ہیں، اس کو تو میں جانوں۔ اگر اس کو کوئی زبردستی بھی ناظم بنائے گا تو بھی ناظم نہیں بنے گا۔

ایک اہم طالب علم کے اخراج پر حضرت قدس سرہٗ نے مجھ سے اور حضرت ناظم صاحب سے مشورہ کیا، تو حضرت ناظم صاحب نے فرمایا کہ بڑا سخت جرم ہے، فوراً اخراج کیا جائے۔ میں نے کہا کہ حضرت! فوراً اخراج کرنے میں فلاں فتنے کا خطرہ ہے۔ مگر حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت ناظم صاحب کے عُلوشان اور یہ کہ نائب ناظم وہی تھے، اس بنا پر اس کا اخراج کر دیا۔ اور وہ خطرہ پیش آ گیا جس کی طرف میں نے اِشارہ کیا تھا۔ میرے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے قلندر نے تو پہلے ہی کہا تھا اور حضرت کو اس فتنے کی وجہ سے بڑا فکر سوار ہوا۔ میں نے کہا کہ حضرت! فکر نہ فرمائیں اور مہتمم صاحب سے فرما دیں کہ اس کی تکمیل میں جلدی نہ کریں۔ ان شاء اللہ سہولت سے ہو جائے گا۔ قصہ تو لمبا ہے اور یہ رسالہ ''آپ بیتی'' ہے بھی نہیں۔

ایک اجنبی نے میرے ہر وقت کی حاضری پر حضرت سے پوچھا کہ یہ حضرت کے صاحب زادے ہیں؟ حضرت نے ارشاد فرمایا: صاحب زادے سے بڑھ کر۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی شفقتیں دیکھ کر کچھ لوگوں کو حسد تو ہونا ضروری تھا۔ میری بہت کثرت سے شکایتیں ہوتی تھیں اور حضرت مجھ سے تحقیق سے پہلے ہی تردید کر دیتے کہ یہ غلط ہے۔

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں حاضری کی نوبت اس ناکارہ کو کم آئی۔ اس لیے کہ ۳۳ھ سے پہلے تو میں علم میں مشغول رہتا تھا اور شوال ۳۳ھ میں حضرت حجاز، پھر مالٹا تشریف لے گئے۔ لیکن اس دوران میں جب کبھی نوبت آئی، بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ مگر مالک کے عجائبِ قدرت میں سے یہ ہے کہ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں کم حاضری کے باوجود شرکتِ جنازے کی سعادت نصیب ہوئی اور میرے حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی ہر وقت کی حاضری کے باوجود جنازے میں شرکت نہ ہو سکی۔ میرے حضرت قدس سرہٗ نے ایک ضروری خط دے کر مجھے حضرت شیخ الہند کی خدمت میں دہلی بھیجا، میں اس حال میں پہنچا کہ حضرت کا وصال ہو رہا تھا۔ میں جنازے کے ساتھ دیوبند آیا۔

اعلیٰ حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے خصوصی کرم اور شفقتیں بھی لکھوانی بہت مشکل ہیں، جو بہت طویل ہیں۔ جب اس ناکارہ کی رائے پور حاضری ہوتی اور حضرت کے یہاں جتنی فتوحات مٹھائی کی، پھل وغیرہ کی ہوتیں، حضرت کے ارشاد سے مولانا عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ میرے حوالے کر دیتے کہ جو چاہے کھاؤں جو چاہے بانٹوں، ان چیزوں پر کسی اور کا تصرف نہیں رہتا تھا۔

حضرت حکیم الأمت نور اللہ مرقدہٗ کو مجھ سے بچپن میں اتنی محبت تھی کہ از راہِ شفقت اس ناکارہ کا نام برف بھیجنے کے ایک واقعے کی وجہ سے برفی رکھا تھا اور جب حاضر ہوتا ایسی لذت سے برفی کا لفظ فرماتے کہ مجھے بھی سننے میں مزہ آتا تھا۔ حضرت قدس سرہٗ کے یہاں قواعد کی پابندی بہت سوں کو معلوم بھی ہے اور مطبوعہ بھی ہے، لیکن شروع زمانے میں حضرت نے اس ناکارہ کو مستثنیٰ فرما دیا تھا۔ اور ایسے ہی اِعلاءُ السنن کی تکمیل کے لیے بھی اس ناکارہ کو تجویز کیا تھا، مگر میں نے مدرسے کی انتظامی اور تدریسی خدمات کا عذر کر کے اس سے معافی مانگ لی تھی، لیکن بہت ہی قلق سے اس کا اظہار بھی ضروری ہے کہ لیگ کانگریس کے دور میں حضرت نور اللہ مرقدہٗ سے بہت کثرت سے اس ناکارہ کی شکایتیں اس مضمون کی کی گئیں کہ یہ حضرت مدنی کا خاص آدمی ہے۔ چُناں ہے چُنیں ہے۔ جس کا اثر حضرت کی طبیعت پر ہونا لازمی تھا۔ میں تو اس کو محسوس کرتا تھا، مگر دوسرے لوگ محسوس نہیں کرتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی شفقتوں کے دیکھنے والے تو ابھی تک بہت ہیں اور وہ بھی اتنی کہ لا تُعد ولا تُحصٰی ہیں۔ ''آپ بیتی'' میں شاید کچھ واقعات گزر بھی چکے ہوں۔ ایک بات یہاں لکھوانے کو جی چاہتا ہے کہ حضرت نے مجھ سے میری درخواست پر ایک مرتبہ نہایت زوردار لہجے میں فرمایا تھا کہ جنت میں ان شاء اللہ تیرے بغیر نہیں جاؤں گا۔ اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ایک سال بعد حضرت میرے مکان پر تشریف لے گئے۔ میں مدرسے گیا ہوا تھا۔ آدمی بلانے گیا۔ میرے آنے سے پہلے پہلے ایک صاحب حضرت کو اپنے گھر لے آئے، جو میرے گھر کے قریب ہی تھا۔ میں نے آتے ہی عرض کیا کہ ایسی کیا گھبراہٹ ہو رہی تھی، میں تو آ ہی رہا تھا۔ تو حضرت نے بے اختیار فرمایا کہ میں نے یہ تھوڑے ہی کہا تھا کہ کہیں بھی تمہارے بغیر نہیں جاؤں گا۔ جہاں کا وعدہ ہے وہاں کا ہے۔

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ کی محبت تو واقعی عشق کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ خود حضرت قدس سرہٗ کے یہ الفاظ بار بار کے ہیں کہ ''میرا تمہارا کسی چیز میں جوڑ تو ہے نہیں، پھر خبر نہیں کہ مجھے تم سے عشق کیوں ہوگیا۔ تم مرچوں کے عاشق، میں پاس نہیں جاسکتا، میں میٹھے کا شوقین اور تمہیں نفرت، وغیرہ وغیرہ، پھر نہ جانے تم سے اتنی محبت کیوں ہوگئی''۔ میرے حضرت کے خُلفا میں حضرت چچا جان، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب، حضرت حافظ

فخر الدین صاحب وغیرہ نے تو باوجود بڑے ہونے کے ہمیشہ اس سیاہ کار کے ساتھ ایسا معاملہ رکھا کہ گویا میں ہی بڑا ہوں۔ بے اختیار یہ مضمون بہت بڑھ گیا۔ مگر اکابر کی محبت کا ایک آدھ واقعہ صرف اس نمونے کے واسطے لکھوانا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نعمائے لا تُعد و لا تُحصٰی میں میرے اکابر کی محبت بھی شامل ہے۔

مالک کے ان ہی انعامات میں اپنے اور اپنے پاک رسول ﷺ کے دربار کی بار بار حاضری اور بچپن و حال کے مبشرات جو اس ناکارہ نے تو کم دیکھے، مگر میرے دوستوں نے بہت دیکھے، اور حجاز کے اسفار میں بہت بڑھ گئے، جس کے متعلق میں دوستوں کو منع کرتا رہتا ہوں کہ اس کا تذکرہ بھی نہ کریں اور کہیں چھاپیں بھی نہیں۔ اس لیے کہ یہ ساری چیزیں حسنِ خاتمے پر موقوف ہیں۔ اگر مالک اپنے لا تُعد و لا تُحصٰی انعامات میں حسنِ خاتمہ کی دولت سے بھی مالا مال فرما دے تو یہ سب کچھ موجب مسرت ہیں، اور خدا نہ کرے میری بداعمالیاں غالب آجائیں تو یہ ساری حسرت ہی حسرت ہیں۔ حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا مشہور ارشاد ہے: إِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ کہ زندہ پر فتنے سے کسی وقت بھی اطمینان نہیں ہوسکتا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اکابر ائمہ میں سے ہیں۔ ان کا زہد وتقویٰ، مجاہدات کے قصے تواریخ میں کثرت سے مشہور ہیں۔ حضرت امام کے صاحب زادے فرماتے ہیں کہ میرے والد کا جب انتقال ہونے لگا تو میں ان کے پاس بیٹھا تھا، کپڑا میرے ہاتھ میں تھا، تاکہ انتقال کے بعد جبڑا باندھ دوں۔ ان کو غشی ہو جاتی تھی، جس سے ہمیں یہ خیال ہوتا کہ انتقال ہو گیا، پھر افاقہ ہو جاتا تھا اور اس وقت وہ کہتے کہ ابھی نہیں ابھی نہیں۔ جب تیسری مرتبہ یہی صورت پیش آئی تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ یہ کیا فرماتے ہیں؟ کہنے لگے: بیٹا! تمہیں خبر نہیں، شیطان ملعون میرے پاس کھڑا ہے اور رنج و غصے سے اپنی انگلی منہ میں دبا رہا ہے۔ اور کہتا ہے کہ احمد! تو میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ جب وہ کہتا ہے تو میں اس سے کہتا ہوں کہ ابھی نہیں چھوٹا۔

''موت کی یاد'' میں اس قسم کے قصے کئی ذکر کیے گئے ہیں اور شیخ المشائخ شیخ ابوعبداللہ اندلسی کا عبرت آموز واقعہ تو بہت طویل ''آپ بیتی'' (نمبر ۵، ص: ۱۸۳) پر بہت مفصل گزر چکا

ہے۔ یہاں نقل کرانے میں تو بڑا طول ہوگا، احباب اس کو ضرور دیکھا کریں۔ بڑا ہی عبرت آموز قصّہ ہے۔ نیز حضرت مدنی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ ہر خواب کے لیے کچھ شروط اور موانع ہوتے ہیں، جو بسا اوقات دیکھنے والے کے ذہن سے جاتے رہتے ہیں، اس لیے ان کو متیقّن الوقوع نہیں کہا جاسکتا۔ بنابریں ان رویائے صالحہ وغیرہ پر کچھ یقین بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ اوّلاً یہی امر مشتبہ ہے کہ آیا یہ رویا من جملہ رویائے صالحہ ہیں بھی یا نہیں، کہیں خیالاتِ متسقرہ فی القلب کا عکس تو نہیں ہیں، یا کسی خلط کے غلبے کا شگوفہ یا اَضغاثُ اَحلام میں سے تو نہیں؟ اور اگر رویائے صالحہ میں سے ہو، تب بھی اس کا من کل الوجوہ محفوظ رہنا مشتبہ ہے۔ پھر اگر محفوظ بھی مانا جائے تو تعبیر مشتبہ رہ جاتی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے بہترین خوابوں پر اُمیدیں باندھنی اور جناب باری عزّ اِسمہ کی رحمتوں پر نظر رکھنا ہمیشہ بندوں کا فریضہ ہے۔[1]

مشتبہ تعبیرات کے قصّے تو تعبیر ناموں میں بہت کثرت سے نقل کیے گئے ہیں۔ امام ابنِ سیرین جو فنِ تعبیر کے مشہور امام ہیں اور ان کی تعبیرات مختلف رسائل میں طبع ہوئی ہیں، ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں اذان دے رہا ہوں۔ حضرت امام نے تعبیر دی کہ تیرا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس کے بعد دوسرا شخص آیا، اس نے بھی یہی خواب عرض کیا کہ میں اذان دے رہا ہوں۔ حضرت امام نے فرمایا کہ تو حج کرے گا۔ یہ سن کر حاضرینِ مجلس نے عرض کیا کہ خواب تو ایک ہی تھا پھر تعبیر میں فرق کیوں ہے؟ حضرت امام نے فرمایا کہ جب میں نے پہلے شخص کے چہرے پر دیکھا تو اس کی پیشانی پر شر کا اثر دیکھا تو مجھے سورۂ یوسف کی یہ آیت ذہن میں آئی: ﴿ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝﴾[2] اور دوسرے شخص کے چہرے پر خیر کے آثار تھے تو میرے ذہن میں فوراً سورۂ حج کی آیت ﴿وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ﴾ الآیۃ[3] آئی۔ اس لیے میں نے اس خواب کی یہ تعبیر دی۔ اسی طرح اخلاط کا اثر بھی خوابوں پر بہت پڑتا ہے۔ عُلمائے تعبیر کے اکابر نے لکھا ہے کہ جس پر سودا کا غلبہ ہو، اس کے خواب میں کثرت سے قبریں اور خوف ناک چیزیں آتی ہیں۔ اور جس پر صفرا کا غلبہ ہو تو وہ خواب میں چراغ، روشنی وغیرہ دیکھتا ہے۔ اور جس پر بلغم کا غلبہ ہو تو وہ سفیدی، پانی، موجیں وغیرہ دیکھتا ہے۔ اور جس پر دم کا غلبہ ہو تو وہ شراب، پھول، باجے وغیرہ

[1] شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات: ص:۱۵ [2] یوسف: ۷۰ [3] الحج: ۲۷

دیکھتا ہے۔ اور خود حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوتی ہے۔ اور دوسرا تحزین من الشیطان ہوتا ہے کہ شیطان خواب میں ایسی چیزیں دکھاتا ہے جس سے آدمی گھبرا دے، پریشان ہو۔ اور تیسرا خواب ذہنی خیالات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت شیخ الاسلام نے بھی اوپر فرمایا اور عُلما کی بھی تحقیق یہی ہے کہ ہر خواب کو قطعی نہیں سمجھنا چاہیے۔ اچھا خواب نظر آئے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور بُرا خواب نظر آئے تو اعوذ باللّٰہ پڑھ کر بائیں طرف تھوک دے۔ اسی لیے مجھے دوستوں کو بہت شدّت سے منامات ومبشّرات ذکر کرنے کی ممانعت کرنی پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے حسنِ خاتمہ کی دولت سے مالا مال کردے تو پھر سارے مبشّرات منامات موجبِ لذات ہیں۔ اور اگر خدا ناخواستہ خاتمہ بالخیر نہیں ہے تو سارے تخیلات ہی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین۔

خدایا بذاتِ خداوندیت و اوصاف بے مثل و مانندیت، بہ لبّیک حجاج بیت الحرام، بمدفونِ یثرب علیہ السلام، بہ تکبیرِ مردانِ شمشیر زَن، کہ مردِ وغا را شمارند زَن، بہ طاعات پیرانِ آراستہ، بہ صدقِ جوانانِ نوخیستہ کہ مارا درآں ورطۂ یک نفس زنگِ دو گفتن بفریادرس۔

اے خدا! اپنی ذاتِ خداوندی اور اپنے بے مثل و بے مانند اوصاف کے طفیل، بیت الحرام کے حاجیوں کی لبّیک کے طفیل، اور اس ذاتِ عالی ﷺ کے طفیل جو مدینہ پاک میں مدفون ہیں، ایسے تلوار باز مجاہدوں کی تکبیر کے طفیل جو میدانِ جنگ کے بہادروں کو عورت سمجھتے ہیں، (ان سب چیزوں کے وسیلے سے یہ درخواست ہے) (تقویٰ وطہارت) سے آراستہ بزرگوں کی عبادت کے طفیل، نوخیز جوانوں کی صداقت کے طفیل، کہ ہماری اس ایک سانس کے بھنور میں (یعنی نزع کے وقت) دو کہنے (یعنی شرک) کی ذلّت سے فریادرسی فرما۔

اس رسالے کا محرک ایک خواب ہے، اس لیے اسے ذکر کرنا پڑا۔ ۱۳۹۵ھ کے سفرِ ہند سے واپسی اس مرتبہ بجائے طیارے کے موٹر سے ہوئی۔ باقی احباب کا بہت اصرار ہو رہا تھا کہ خشکی کے راستے سے آؤں، اس میں بہت راحت رہے گی اور سہولت۔ صبح کی چائے سہارن پور پیوں اور دوپہر کا کھانا رائے ونڈ، اور مفت کی سواری کہ احباب کی کاریں اس ناکارہ کو مفت لیے لیے پھرتی ہیں۔ مگر میں اپنی کم ہمّتی، راحت پسندی کی وجہ سے طیارے ہی سے

جانے پر اصرار کر رہا تھا کہ صبح سے دوپہر تک کا وقت کار میں بہت مشکل معلوم ہو رہا تھا، مگر رفیقوں کا پی فارم نہ بن سکا۔ اس مجبوری کو خشکی سے جانا پڑا۔

سہارن پور سے تیس (۳۰) شوال المکرّم، ۵ نومبر بدھ کی صبح کو چلنا ہوا۔ اس سے ایک شب پہلے پیر و منگل کی درمیانی شب میں اس ناکارہ نے خواب دیکھا کہ سیّد الکونین ﷺ نے اس ناکارہ سے ارشاد فرمایا کہ فلاں رسالہ سنا۔ وہ رسالہ عربی میں تھا اور میرے لیے بڑا معروف تھا۔ بارہا کا دیکھا ہوا تھا اور اس میں عربی زبان کے فضائل کی روایتیں تھیں۔ اس کے سنانے کے دور میں بہت سے مضامین اور روایات میرے دل میں آتی رہیں جو گویا مجھے بہت ازبر تھیں اور میں منشائے مبارک یہ سمجھا کہ عربی زبان کے فضائل میں اس رسالے کی مدد سے اردو میں کوئی رسالہ لکھوں اور خواب ہی میں اس رسالے کی بسم اللہ بھی کردی۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی یا اُٹھا دیا گیا۔ اُٹھنے کے بعد خواب تو یاد رہا مگر اس رسالے کا نام بالکل ذہن سے نکل گیا۔ بہت سوچا اور رسالہ سنانے کے درمیان جو مضامین دل میں گھوم رہے تھے وہ بھی یاد نہیں آئے۔ بہت غور کیا، رنج و قلق بھی بہت ہوا۔ دوسرے دن سفر شروع ہوا اور رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں شرکت کے بعد مختلف مواقع میں جانا ہوا۔ ۱۵، ۱۶ ر ذیقعدہ کی شب میں کراچی سے جدّہ جانا ہوا، وہاں پہنچ کر حجاج کا ہجوم اور سفر سے اس ناکارہ کی علالت جو لازمی جز بن گئی بہت کوشش کی کہ مکّہ سے ایک دو روز بعد مدینہ حاضر ہو جاؤں، مگر احباب و اکابر کے اصرار نے آنے نہ دیا۔ ہجوم بھی بڑھتا رہا۔ حج کے بعد تبلیغی وفود کی روانگی کی وجہ سے بھی ہفتہ عشرے کا انتظار کرنا پڑا۔ ایک شب بدر قیام کرتے ہوئے ۲۸ ر ذی الحجہ کو مدینہ پاک حاضری ہوئی۔ یہاں سردی کی بہت شدت تھی، جس کے اثر سے بخار ہوا جو مسلسل رہا۔ اس کے ساتھ ہی حجاج وغیرہ کی روانگی کے اُمور ایسے رہے کہ رسالہ شروع کرنے کی نوبت نہ آئی اور اس کی بڑی وجہ مضامین کا ذہن میں نہ رہنا ہے۔ اسی درمیان میں ڈاڑھی کے متعلق ایک مختصر رسالہ لکھنے کی بھی نوبت آ گئی کہ یہاں اس رسالے کے متعلق کوئی کتاب نہ مل سکی۔ لیکن اپنے خواب کی وجہ سے طبعی تقاضا رہا اور بالآخر ۲۵ ر صفر المظفر ۱۳۹۶ھ چہار شنبہ کی دوپہر کو قبیلِ ظہر مسجدِ نبوی ﷺ میں اس رسالے کی بسم اللہ کردی۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فضائلِ زبانِ عربی

١. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾[1]

ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھو۔ (بیان القرآن)

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے تفسیر میں لکھا ہے: ’’تاکہ تم بہ وجہ اہلِ زبان ہونے کے اوّلاً سمجھو‘‘۔ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے ترجمے کے حاشیے پر لکھا ہے: ’’یعنی عربی زبان جو تمام زبانوں میں زیادہ فصیح و وسیع اور منضبط و پُر شوکت زبان ہے، نزولِ قرآن کے لیے منتخب کی گئی۔ جب خود پیغمبر عربی ہے، تو ظاہر ہے کہ دنیا میں اس کے اوّلین مخاطب عرب ہوں گے۔ پھر عرب کے ذریعے چاروں طرف یہ روشنی پھیلے گی۔ اسی کی طرف ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ میں اشارہ فرمایا کہ تمہاری زبان میں اتارنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ تم جو پیغمبر علیہ السلام کی قوم ہو، اوّل اس کے علوم و معارف کا مزہ چکھو، پھر دوسروں کو چکھاؤ۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔

ابنِ کثیر لکھتے ہیں:

أُنْزِلَ أَشْرَفُ الْكُتُبِ بِأَشْرَفِ اللُّغَاتِ عَلٰى أَشْرَفِ الرُّسُلِ بِسَفَارَةِ أَشْرَفِ الْمَلَائِكَةِ، وَكَانَ ذٰلِكَ فِيْ

یعنی تمام کتابوں میں سے اشرف کتاب تمام زبانوں میں سے اشرف زبان میں، تمام رسولوں میں سے اشرف رسول پر، تمام فرشتوں میں سے

أَشْرَفِ بِقَاعِ الْأَرْضِ، وَابْتِدَاءُ إِنْزَالِهِ فِي أَشْرَفِ شُهُوْرِ السَّنَةِ، وَهُوَ رَمَضَانُ، فَكَمُلَ مِنْ كُلِّ الْوُجُوْهِ."

اشرف فرشتے کے ذریعے اتاری گئی اور یہ اتارنا زمین کے بہترین حصے میں ہوا۔ اور اس اتارنے کی ابتدا تمام مہینوں میں سے اشرف مہینہ رمضان المبارک میں ہوئی۔ لہٰذا قرآنِ پاک تمام وجوہ سے کامل و مکمل ہوا۔

قرآنِ پاک کی کئی آیتوں میں قرآنِ پاک کے عربی ہونے کے متعلق احسان جتلایا گیا ہے:

﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ○﴾[1] ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا﴾[2] ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾[3] ﴿حٰمٓ ○ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○﴾[4]

٢. عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ: لِأَنِّي عَرَبِيٌّ، وَالْقُرْآنُ عَرَبِيٌّ، وَكَلَامُ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ.[5]

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ عرب سے تین وجہ سے محبت کرو: ۱۔ میں عربی ہوں۔ ۲۔ اور قرآن عربی ہے۔ ۳۔ اور جنت والوں کی زبان عربی ہے۔

وذكر السيوطي في مبدأ تفسير سورة يوسف مخارجه، وأخرج نحوه عن أبي هريرة، وأورده ابن الجوزي في "الموضوعات"(٢/٤١)، وبسط الكلام عليه في "اللآلي" وحكى في "التعقبات" (ص: ٧١) عن الحاكم تصحيحه، وقد تعقّبه الذهبي في "مختصره": والحديث ضعيف، لا صحيح ولا موضوع. قلت: وله مشاهد من حديث أبي هريرة كما في "المقاصد"، أخرجه الطبراني في "الأوسط"، ولفظه:

[1] الشعراء: ١٩٢-١٩٥ [2] الرعد: ٣٧ [3] الشورى: ٧ [4] الزخرف: ١-٣

[5] رواه البيهقي في "شعب الإيمان" من المشكاة، وقال الملا علي القاري: كذا روى الطبراني في "الكبير"، والحاكم في "مستدركه"، والعُقيلي في "الضعفاء".

انا عربي، والقرآن عربي، وكلام أهل الجنة عربي. قال السخاوي:
وهو مع ضعفه أصح من حديث ابن عباس. انتهى.

ف: حضورِ اقدس ﷺ نے اس حدیث میں عرب کو محبوب رکھنے کی تین وجہیں بتائی ہیں: اوّل یہ کہ میں عربی ہوں۔ اور حضورِ اقدس ﷺ کی محبت جزوِ ایمان ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ "کوئی شخص تم میں سے مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں"۔ اور ظاہر ہے کہ جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے۔ اس کی چال ڈھال، اس کا کھانا پینا، اور حرکت وسکون ساری محبوب ہوجاتی ہیں۔ اگر لیلیٰ کی محبت میں در و دیوار کو چوما جاسکتا ہے تو حضورِ اقدس ﷺ کی کون سی چیز ایسی ہوگی، جو مسلمان کے دل میں رچی ہوئی نہ ہو۔

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلَى
أُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَذَا الْجِدَارَا
وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِي
وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

مجنون کہتا ہے کہ جب میں لیلیٰ کے شہروں پر گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اُس دیوار کو۔ شہروں کی محبت نے مجھے فریفتہ نہیں کر رکھا ہے، بلکہ اس شخص کی محبت نے جو ان شہروں میں رہتا ہے۔

ثعالبی "فقه اللغة" میں لکھتے ہیں کہ بے شک جس کو اللہ سے محبت ہوگی اس کو اس کے حبیبِ پاک علیہ السلام سے ضرور محبت ہوگی۔ اور جو نبیٔ عربی سے محبت رکھے گا وہ عرب سے محبت رکھے گا۔ اور جس کے نزدیک عرب محبوب ہوں گے تو اس کو عربی زبان ضرور محبوب ہوگی کہ جس میں افضل الکتب افضل العرب والعجم ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔ اور جو عربی زبان کو محبوب رکھے گا تو وہ اس کا اہتمام کرے گا اور ہمیشہ اپنی توجہ کو اس کی طرف مبذول کرے گا۔[۱]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اکابرِ صحابہ اجلۂ صحابہ مشاہیرِ صحابہ میں سے ہیں۔ دینِ اسلام

[۱] مشکاۃ شریف: ص: ۵۷۲

حاصل کرنے کی خاطر کتنے آقاؤں کے غلام بنے۔

''بخاری شریف'' میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ تیرہ سے زائد آقاؤں کے غلام رہے۔ ایک سردار کے لڑکے تھے، دین سیکھنے کی خاطر گھر سے بھاگے تھے اور نصاریٰ کے راہبوں کے پھندے میں پھنس گئے اور ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ اخیر میں معلوم ہوا کہ جس دین کی طلب میں نکلے ہیں وہ مدینہ میں ہے۔ وہاں سے مدینہ آئے اور یہاں بھی ایک یہودی نے زبردستی غلام بنالیا۔[1]

یہ بڑا طویل قصہ ہے۔ ان کے آقا نے ایک باغ لگانے کی شرط کی اور کہا کہ جب پھل آجائے اس وقت تم آزاد ہو گے۔ تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے یہ باغ لگایا (جو اب بھی باغِ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہے) اور ایک سال میں پھل آگیا۔[2] نیز قرآنِ پاک کی سورۂ محمد کی آخری آیت ﴿وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۝﴾[3] نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ! اس سے کون سی قوم مراد ہے کہ اگر ہم تول کریں تو ہمارا بدل بنیں گے؟ تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم۔ اور فرمایا کہ اگر دین ثریا پر ہوتا تو وہاں سے بھی ایک قوم فارس میں سے لے آتی۔ نیز حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں سے محبت کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ تو حضرت علی، ابوذر، حضرت مقداد، اور سلمان رضی اللہ عنہم کا نام لیا۔ اور فرمایا کہ ان سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مجھے بھی ان سے محبت ہے۔[4]

اس کے علاوہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت کثرت سے روایات میں ہیں۔ اس کے باوجود ''مشکاۃ'' میں ایک روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھ سے بغض نہ کیجیے، اپنے دین کو کھو بیٹھے گا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ سے کیسے بغض کرسکتا ہوں؟ آپ سے تو مجھے ہدایت نصیب ہوئی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو عرب سے بغض کرنے لگے تو یہ مجھ سے بغض ہو جائے گا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے

---

[1] فتح الباری: ۲۷۶/۸ [2] فتح الباری: ۳۱۵/۵ [3] محمد: ۳۸ [4] مشکاۃ المصابیح: ص: ۵۸۰

ہیں کہ جب عرب والوں سے عموماً بغض ہوگا تو ان کے ضمن میں مجھ سے بھی بغض ہو جائے گا یا یہ کہ جب جنسِ عرب سے بغض کرنے لگے گا تو یہ اخیر میں مجھ سے بھی بغض تک پہنچ جائے گا۔ نعوذ باللہ تعالیٰ منہ! حاصل یہ کہ عرب سے بغض رکھنا حضورِ اقدس ﷺ کے بغض تک منتج ہوسکتا ہے۔

بندے کا خیال ہے کہ ممکن ہے حضورِ اقدس ﷺ تک حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا کوئی فقرہ عرب کے متعلق پہنچا ہو یا یہ کہ وہاں تو سب عرب تھے، عجمی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے تنبیہاً ان کو فرمایا ہو کہ ملکی اختلاف میں بسا اوقات اپنے ملک کی ایسی تعریف ہو جاتی ہے جو دوسرے ملک کی اہانت ہو جائے۔ جیسے ہمارے زمانے میں بسا اوقات حجاج کے منہ سے اپنے اپنے ملک کی تعریف میں ایسے فقرے نکل جاتے ہیں کہ جن سے عرب کی توہین نکلتی ہے۔ اس سے بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہیے۔

وَذَكَرَ الْبُخَارِيُّ فِي "تَارِيْخِهِ الْكَبِيْرِ" (٤/٤) تَعْلِيْقًا عَنْ مِحْجَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْكُوْفِيِّ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ عَلٰى أَصْحَابِهِ وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ لِسَلْمَانَ: مَا نَسَبُكَ؟ فَقَالَ: مَا نِسْبَةُ رَجُلٍ خُلِقَ مِنَ التُّرَابِ وَإِلَى التُّرَابِ يَعُوْدُ، إِنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنِي فَمَا أُكْرَمَ نَسَبِي، وَإِنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنِي فَمَا أَذَلَّ نَسَبِي، ثُمَّ تَلَا الآية: ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ الآية[1]، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَيْحَكَ يَا سَلْمَانُ، أَحِبَّ الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ: نَبِيُّكَ عَرَبِيٌّ، وَقُرْآنُكَ عَرَبِيٌّ، وَلِسَانُكَ فِي الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ.

ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے ان کے نسب کے بارے میں سوال کر رہے تھے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جو شخص مٹی سے پیدا ہوا اور لوٹ کر مٹی ہی میں جانا ہو اس کا کیا نسب۔ اگر میرے اعمال کا پلّہ بھاری ہوا تو کیا ہی اچھا ہے میرا نسب۔ اور اگر ہلکا ہوا تو کس قدر حقیر ہے میرا نسب۔ اس کے بعد یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ الآية. اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا بھلا ہوا اے سلمان! عرب سے محبت کر تین وجہ سے: اس لیے کہ تیرے نبی عربی ہیں، اور تیرا قرآن عربی ہے اور تیری زبان جنت میں عربی ہوگی۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ نے ''اقتضاء الصراط المستقیم'' (ص:١٥٦) میں لکھا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی خصوصیت اس وجہ سے ہو کہ ان کے فضائل بہت کثیر ہیں۔ جب فضائلِ کثیرہ کے باوجود ارشاد فرمایا ہے تو ان کے علاوہ اور عجمی لوگوں کے لیے تو ہو جائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ شیطان اس قسم کی چیزیں پیدا کرے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جو عرب والوں کو دھوکا دے وہ میری شفاعت نہیں پائے گا۔ اور اس کو میری محبت بھی نہیں پہنچے گی۔

ترمذی نے اس پر کلام کیا ہے، مگر ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر چہ روایت ضعیف ہے مگر فضائل میں معتبر ہے۔ اور اس کے علاوہ اس کے ہم معنی بہت سی روایتیں ہیں جو تواتر معنوی تک پہنچا دیتی ہیں، جیسا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ عرب سے محبت رکھنا ایمان ہے اور ان کا بغض نفاق ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ قریش سے محبت ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے اور عرب سے محبت رکھنا ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے۔ لہٰذا جو عرب والوں سے محبت رکھے اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جو عرب والوں سے بغض رکھے اس نے گویا مجھ سے بغض رکھا۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے طویل حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس نے عربوں سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے محبت کی اور جس نے عرب سے بغض کیا تو اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض کیا۔[2]

اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جب زبان عربی ہو تو ہر اُمتی کے لیے کتنی محبوب ہوگی۔ اور دوسرا جز قرآنِ پاک کا عربی ہونا یہ تو اس سے بھی بڑھ کر کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ تیسرا جز جنّت والوں کی زبان ہے۔ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ جہنم والوں کی زبان عربی نہیں ہوگی۔

وفي ''المزهر'' ص: ١٣٠:

واخرج ابن عساكر في ''التاريخ'': ابنِ عساکر نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ: إن آدم علیہ السلام كان لغته في الجنة عربية، فلما عصٰى سلبه اللّٰه تعالٰى العربية، فتكلم بالسريانية، فلما تاب رد الله عليه العربية.

نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی زبان جنّت میں عربی تھی۔ جب دانہ کھانے کی لغزش ہوئی تو وہ زبان بھی بھلا دی گئی اور سریانی میں کلام فرمایا۔ جب توبہ قبول ہوگئی تو اللہ جل شانہٗ نے پھر عربیت ان کی طرف لوٹا دی۔

اس سے بڑھ کر عربی زبان کی اور کیا فضیلت ہوگی کہ حضرت آدم علیہ السلام جب تک جنّت میں رہے ان کی زبان عربی رہی اور جب خطا کی وجہ سے جنّت سے نکال دیے گئے تو عربی زبان بھی چھین لی گئی اور توبہ کے بعد لوٹائی گئی۔

۳. عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَلَا: ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أُلْهِمَ إِسْمَاعِيْلُ هٰذَا اللِّسَانَ الْعَرَبِيَّ إِلْهَامًا.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے آیت ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ تلاوت فرمائی، پھر فرمایا کہ یہ عربی زبان حضرت اسماعیل علیہ السلام کو الہام ہوئی تھی۔

كَذَا فِي "الدُّرِ الْمَنْثُوْرِ" لِلسُّيُوْطي برواية الحاكم. وقال السُّيُوْطِيُّ في المزهر (ص: ۳۳): أخرجه الحاكم وصححه، والبيهقي في شعب الإيمان.

ف: اس میں ایک اشکال ہے۔ وہ یہ کہ امام بخاری نے باب ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا۝﴾[1] میں جو طویل حدیث حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں مکّہ مکرمہ کے لَق ودَق میدان میں چھوڑ جانے کے متعلق لکھی ہے، اس میں یہ لفظ ہے: وَشَبَّ الْغُلَامُ، وَتَعَلَّمَ الْعَرَبِيَّةَ مِنْهُمْ (أي من جرهم) اس کی شرح میں حافظ ابنِ حجر نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے اس روایت کی تضعیف معلوم ہوتی ہے جس میں وارد ہوا ہے کہ حضرت اسماعیل أَوَّلُ مَنْ تَكَلَّمَ بِالْعَرَبِيَّةِ ہیں، جیسا کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔ جس کو حاکم نے نقل کیا ہے: أَوَّلُ مَنْ نَطَقَ بِالْعَرَبِيَّةِ إِسْمَاعِيْلُ علیہ السلام. اور زبیر ابنِ بکار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے: أَوَّلُ مَنْ فَتَقَ اللّٰهُ لِسَانَهٗ بِالْعَرَبِيَّةِ الْمُبِيْنَةِ إِسْمَاعِيْلُ علیہ السلام

[1] النساء: ۱۲۵

اس قید سے (یعنی مبینہ کے لفظ سے) دونوں حدیثوں میں جمع ہوسکتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی روایت بہ اعتبار زیادتی فی البیان کے ہے نہ کہ اوّلیتِ مطلقہ۔ حاصل یہ کہ اصل عربی انھوں نے جرہم سے سیکھی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فصیح عربی زبان کا الہام کیا۔ اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو ابنِ ہشام نے نقل کیا ہے کہ ''حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عربیت یعرب بن قحطان اور حمیر اور جرہم کی عربیت سے زیادہ فصیح تھی''۔ اس کے بعد حافظ نے دو تین احتمال اور نقل کیے ہیں، مگر میرے خیال میں یہ جواب سب سے زیادہ واضح اور قوی ہے۔ اس لیے کہ ایک ہی زبان میں دیہاتیوں کی بولی الگ ہوتی ہے اور شہریوں کی الگ۔ اور شہریوں میں بھی بہت اختلاف ہوتا ہے، ہمارے یہاں مشہور ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کی زبان اور شہروں سے زیادہ فصیح اور بلیغ ہوتی ہے۔ یہی فصاحت و بلاغت حضرت اسماعیل علیہ السلام کو الہام ہوئی۔ علامہ عینی نے حافظ کی توجیہ کو رد کرتے ہوئے ایک توجیہ لکھی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اوّلیت اولادِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعتبار سے ہو۔ یہ احتمال حافظ نے بھی اپنی شرح میں لکھا ہے، مگر میرے نزدیک اوپر کی توجیہ زیادہ راجح اور وہی معروف ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعِ قرآن کے موقع پر کاتبینِ قرآنِ پاک سے ارشاد فرمایا تھا کہ جب تم میں اختلاف ہو تو قریش کے محاورے پر لکھو۔ اس لیے کہ قرآنِ پاک قریش کی زبان میں اُترا ہے۔

اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے درمیان میں مختلف لغات استعمال ہوتے تھے۔

چناں چہ علامہ سیوطی نے "المزھر" (۲۷/۱) میں علامہ زرکشی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

قَالَ: وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ: أَوَّلُ مَنْ تَكَلَّمَ بِالْعَرَبِيَّةِ الْمَحْضَةِ إِسْمَاعِيلُ. وَأَرَادَ بِهِ عَرَبِيَّةَ قُرَيْشٍ الَّتِي نَزَلَ بِهَا الْقُرْآنُ، وَأَمَّا عَرَبِيَّةُ قَحْطَانَ وَحِمْيَرَ فَكَانَتْ قَبْلَ إِسْمَاعِيلَ علیہ السلام.

یعنی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سب سے پہلے خالص عربی میں جس نے کلام کیا وہ حضرت اسماعیل علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام ہیں اور اس سے مراد قریش کی عربی ہے جس میں قرآنِ پاک نازل ہوا۔ کیوں کہ قحطان اور حمیر کی عربی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بھی پہلے تھی۔

٤. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ، مَا أَنْزَلَ اللهُ وَحْيًا قَطُّ عَلٰى نَبِيٍّ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ إِلَّا بِالْعَرَبِيَّةِ ثُمَّ يَكُوْنُ هُوَ بَعْدُ يُبَلِّغُهٗ قَوْمَهٗ بِلِسَانِهٖ.

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! نہیں نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے کوئی وحی کسی نبی پر مگر عربی زبان میں، پھر وہ پہنچاتے تھے اپنی قوم کو اس قوم کی اپنی مادری زبان میں۔

رواه الطبراني في "الأوسط". وفيه سليمان بن أرقم متروك. كما في "مجمع الزوائد". (ص: ٥٢) قَالَ السَّيُوْطِيُّ في "اللآلي": سليمان بن أرقم، أخرج له ابوداود والنسائي والترمذي، وهو وإن كان متروكًا، فَلَمْ يُتَّهَمْ بكذبٍ ولا وضعٍ. انتهى. وقال العراقي: رواه الطبراني في "الأوسط" وقال: حديث حسن، رواتُه كلهم ثقاتٌ. انتهى.

علامہ سیوطی نے درِمنثور میں اسی کے ہم معنی سفیان ثوری سے نقل کیا ہے کہ جب بھی وحی نازل ہوئی، زبانِ عربی ہی میں نازل ہوئی، پھر ہر نبی اپنی قوم کے سامنے اس کو ان کی زبان میں ترجمہ کرتے تھے۔

٥. عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، مَالَكَ أَفْصَحُنَا وَلَم تَخْرُجْ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا؟ قَالَ: كَانَ لُغَةُ إِسْمَاعِيْلَ ﷺ قَدْ دَرَسَتْ، فَجَاءَ بِهَا جِبْرَائِيْلُ ﷺ فَحَفَّظَنِيْهَا، فَحَفِظْتُهَا.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہے کہ آپ ہم میں سب سے زیادہ فصیح ہیں، حالاں کہ آپ ہم سے باہر نہیں نکلے؟ تو حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت اسماعیل کی زبان مٹ مٹا گئی تھی، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کو از سرِ نو لائے اور مجھے یاد کرایا تو میں نے اسے یاد کرلیا۔

اخرجه ابنُ عساكر في "تاريخه"، كما في "المزهر" (ص: ٣٥)، وهكذا ذكره في "روح المعاني".

ف: اس حدیثِ پاک سے زبانِ عربی کی بہت ہی زیادہ اہمیت اور فضیلت معلوم ہو رہی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام خاص طور سے حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں یاد کرانے کے لیے

تشریف لائے۔ نیز اس سے حضور اکرم ﷺ کی کمال فصاحت ثابت ہوتی ہے۔ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "المزھر" میں ایک اور روایت ذکر فرمائی ہے، جس سے حضور اقدس ﷺ کا نہایت فصیح و بلیغ ہونا اور بھی زیادہ ظاہر ہوتا ہے:

أخرج البيهقي في "شعب الإيمان" من طريقِ موسى بنِ محمد بن إبراهيم بن الحارث التّيمي عن أبيه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ فِيْ يَوْم دجن كَيْفَ تَرَوْنَ بَوَاسِقَهَا؟ قَالُوْا: مَا أَحْسَنَهَا وَأَشَدَّ تَرَاكُمهَا. قَالَ: كَيْفَ تَرَوْنَ قَوَاعِدَهَا؟ قَالُوْا: مَا أَحْسَنَهَا، وَأَشَدَّ تَمَكُّنِهَا. قَالَ: كَيْفَ تَرَوْنَ جَوْنَهَا؟ قَالُوْا: مَا أَحْسَنَهُ، وَأَشَدَّ سواده. قَالَ: كَيْفَ تَرَوْنَ رِحَاهَا اِسْتَدَارَتْ؟ قَالُوْا: نِعْمَ مَا أَحْسَنَهَا، وَأَشَدَّ اسْتَدَارَتُهَا. قَالَ: كَيْفَ تَرَوْنَ بَرْقَهَا؟ خَفِيًّا، أَمْ وَمِيْضًا، أَمْ يَشُقُّ شَقًّا؟ قَالُوْا: بَلْ يَشُقُّ شَقًّا؟ فَقَالَ: الْحَيَا. فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰه، مَا أَفْصَحَكَ مَا رَأَيْنَا الَّذِيْ هُوَ أَعْرَبُ مِنْكَ. قَالَ: حَقٌّ لِيْ؛ فَإِنَّمَا أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَيَّ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِيْنٍ.[1]

بیہقی نے "شعب الایمان" میں موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی کی روایت نقل کی ہے۔ انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز جب کہ آسمان پر ابر تھا، فرمایا کہ تم کو اس کے پھیلے ہوئے اور سفید قطعے کیسے نظر آتے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: بہت خوش نما اور خوب تہ بہ تہ۔ فرمایا: تم کو اس کے مرکزی اور بنیادی حصے کیسے نظر آتے ہیں؟ انھوں نے کہا: بہت خوش نما اور مضبوطی سے قائم۔ فرمایا کہ تم کو اس کے سیاہ قطعے کیسے نظر آتے ہیں؟ انھوں نے کہا: بہت خوش نما اور خوب سیاہ۔ فرمایا کہ تم کو اس کی چکی کیسی گھومتی نظر آتی ہے؟ انھوں نے کہا: بہت خوش نما اور خوب گھومتی ہوئی۔ فرمایا: اس کی بجلی کیسی نظر آتی ہے، کیا ہلکی یا چمکتی ہوئی، یا کوندتی کاٹتی ہوئی؟ انھوں نے کہا کہ کوندتی کاٹتی ہوئی۔ فرمایا کہ یہ ہے شادابی اور زرخیزی۔ اس پر ایک صاحب نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کس قدر فصیح اور بلیغ ہیں، ہم نے آپ سے زیادہ عربیت کا حامل نہیں دیکھا

[1] المزهر للسيوطي: ۳۵/۱

فرمایا کہ میرے لیے حق ہے، بے شک مجھ پر قرآن فصیح عربی زبان میں اتارا گیا۔
فی الحقیقت اس سے حضورِ اکرام ﷺ کا عربیت کے اندر کمال اور انتہائی درجے کا فصیح وبلیغ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ عربی سے ذوق رکھنے والے اس حدیثِ پاک کا لطف اُٹھا سکتے ہیں کہ ایک اَبر کو کتنی تفاصیل سے دریافت فرمایا۔

٦. عَنِ ابْنِ عُمَرَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ يُحْسِنُ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِالْعَرَبِيَّةِ فَلَا يَتَكَلَّمُ بِالْعَجَمِيَّةِ؛ فَإِنَّهُ يُوْرِثُ النِّفَاقَ[1]

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو عربی اچھی طرح بول سکتا ہو اسے چاہیے کہ غیر عربی میں بات نہ کرے کہ یہ نفاق پیدا کرتا ہے۔

قلتُ: وفيه عمر بن هارون، قَالَ الذهبي: كذبه ابن مَعين، وتركه الجماعة. وقَال في الميزان بعد نقل كلام أئمة الفن: وكان من أوعية العلم على ضُعفه، وكثرة مناكيره، وَمَا أَظُنّه ممَّنْ يتعمد الباطل. انتهى.

حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عربی زبان شعارِ اسلام ہے اور لغاتِ اعظم شعارِ امم سے ہوتے ہیں، جس سے قوموں میں تمیز پیدا ہوتی ہے۔ اس وجہ سے بہت سے عُلما نے نماز میں ایسی دعاؤں کو مکروہ قرار دیا ہے جو عربی میں نہ ہوں۔ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے بہت مفصل کلام کیا ہے، جس سے غیر عربی میں تکلم کی کراہت نکلتی ہے۔ اسی وجہ سے امام بخاری کو اپنی کتاب ''صحیح بخاری'' میں باب من تكلم بالفارسية باب باندھنا پڑا۔ حافظ نے لکھا ہے کہ اس باب کی غرض غیر عربیہ میں کلام کرنے کا جواز ہے۔ اور اس پر طویل بحث کی ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ جن روایات میں ممانعت معلوم ہوتی ہے، ان کا منشا یہ ہے کہ وہ خلافِ اولیٰ اور بُرے اخلاق کی طرف لے جانے والی ہے۔ آگے چل کر شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ نے لکھا ہے کہ مقصود اِن روایات کا غیر عربی کو عادت بنالینا ہے، یہاں تک کہ وہ گھریلو زبان بن جائے۔ اس وجہ سے قدمائے اسلام (صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ) جب شام وغیرہ میں قیام پذیر ہوتے تھے جن کی زبان رُومی تھی، یا عراق وخراسان میں جن کی زبان فارسی تھی، یا مغرب میں جن کی

[1] اِقْتِضاء الصراط المُستقيم: ص: ۲۰۵

زبان ہو رہی تھی، تو ان لوگوں کو عربی زبان کا عادی بنادیا۔ حتی کہ عربی زبان ان کی اصلی زبان پر غالب آ گئی۔ البتہ اس کے بعد خراسان میں عربی زبان کا اہتمام چھوٹ گیا تو اپنی زبانیں باقی رکھنے کی عادت پڑ گئی اور عربی زبان متروک ہوتی چلی گئی۔ بہتر یہی ہے کہ عربی زبان کو ترقی دی جائے، یہاں تک کہ بچے اپنے گھروں میں اس کے بولنے کے عادی بن جائیں اور عربی زبان جو شعار اسلام ہے، ترقی پائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ اپنے رسالہ "المقالة الوضية في النصيحة والوصية" میں وصیت ہفتم کے تحت فرماتے ہیں، جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ "ہم لوگ مسافر ہیں کہ ہمارے بزرگ (غیر منقسم) ہندوستان میں مسافرانہ آئے ہیں۔ عربی نسب و عربی زبان دونوں پر ہمیں فخر ہے، کیوں کہ یہ دونوں چیزیں ہمیں سید اولین و آخرین، افضل انبیا و مرسلین، فخر موجودات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات سے قریب کرتی ہیں۔ اور اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے عرب اوّل کے عادات و رسوم کو نہ چھوڑیں۔ وہ عرب اوّل جو آں حضرت ﷺ کے اصول ہیں۔ عجم کے رسوم اور ہنود کے عادات کو اپنے معاشرے میں باقی نہ رکھیں۔

اخرج البغوي عن أبي عثمان النهدي قَالَ: أَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضي الله عنه وَنَحْنُ بِأَذْرَبِيجَانَ مَعَ عُتْبَةَ بْنِ فَرْقَدٍ. أَمَّا بَعْدُ! فَاتَّزِرُوْا، وَارْتَدُوْا، وَانْتَعِلُوْا، وَالْقُوا الْخِفَافَ، وَالسَّرَاوِيْلَاتِ، وَعَلَيْكُمْ بِلِبَاسِ أَبِيْكُمْ إِسْمَاعِيْلَ، وَإِيَّاكُمْ وَالتَّنَعُّمَ وَزِيَّ الْعَجَمِ، وَعَلَيْكُمْ بِالشَّمْسِ، فَإِنَّهَا حَمَّامُ الْعَرَبِ، وَتَمَعْدَدُوْا، وَاخْشَوْشِنُوْا، وَاخْشَوْشِبُوْا وَاخْلَوْلِقُوْا وَاقْطَعُوا الرُّكُبَ وَانْزُوْا نَزْوًا،	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط حضرت ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، جس میں حمد و نعت کے بعد لکھا تھا کہ لنگی باندھو اور چادر اوڑھو، جوتے پہنو اور موزے نکال دو اور پائے جامہ نہ پہنو اور اپنے باپ اسماعیل علیہ السلام کا لباس اختیار کرو اور اپنے کو ناز و نعمت اور عجمی شکل و صورت سے دور رکھو۔ اور دھوپ میں بیٹھا کرو کہ دھوپ عربوں کا حمام ہے۔ اور قوم معد (بن عدنان) کی طرح ہو جاؤ (جو کہ جفاکشی کی زندگی گزارنے والے تھے) اور موٹا لباس پہنو اور پرانا کپڑا پہننے کی عادت ڈالو اور رکابیں (پائے دان) کاٹ ڈالو اور جست

وَارْمُــوُا الْأَغْــرَاضَ. وَفِــيْ رِوايةٍ وانزوا علی ظهور الخيل نزوًا.

لگا کر کے گھوڑوں پر سوار ہو اور تیر اندازی کی مشق کرو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ گھوڑے کی پیٹھ پر کود کر سوار ہوا کرو۔

آگے چل کر فرماتے ہیں: ہم میں وہ شخص نیک بخت ہے جو عربی زبان، صرف ونحو اور کتبِ ادب سے مناسبت پیدا کرے اور حدیث وقرآن میں مہارت حاصل کرے۔ انتہی۔

"المدخل إلى العربية" میں لکھا ہے کہ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں کہ عربی زبان اُمورِ دین سے ہے اور اس کا سیکھنا واجبات میں سے ہے، اس لیے کہ قرآن وحدیث کا سمجھنا فرض ہے اور وہ بغیر لغتِ عربیہ کے نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور جو چیز تحصیلِ واجب کا ذریعہ ہو وہ واجب ہوتی ہے۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ غیر عربی زبان مت سیکھو: لَا تَعَلَّمُوْا رَطَانَةَ الْأَعَاجِمِ.[2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں آیا ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو طواف میں فارسی میں بات کرتے سنا تو اس کے دونوں بازو پکڑے اور فرمایا کہ عربی زبان کی طرف راستہ تلاش کر یعنی عربی سیکھ۔ تیسری روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ عربی سیکھو کہ اس سے مروّت میں زیادتی ہوتی ہے۔ (یعنی مکارمِ اخلاق اور مردانہ صفات میں زیادتی ہوتی ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعدد روایات ہیں جن کو حافظ ابنِ تیمیہ نے "الاقتضاء" میں نقل کیا ہے۔ ان سب کا مقصد عربیت کی ترغیب اور اس کے سیکھنے کا تقاضا ہے، ورنہ غیر عربی میں بول چال یا اس کے استعمال کی مطلقاً ممانعت مقصود نہیں۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ضروری ہے ہر اس شخص کے لیے جو عربی سیکھ سکتا ہو، عربی سیکھے، اس لیے کہ یہی زبان اس قابل ہے کہ جس میں رغبت کی جائے۔ البتہ دوسری زبان کا بولنا حرام نہیں۔[3]

اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنی "صحیح" میں مَنْ تَكَلَّمَ بِالْفَارِسِيَّةِ وَالرَّطَانَةِ، وَقَوْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿واختلاف السنتكم والوانكم﴾[4] ﴿وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه﴾[5] کا باب باندھنا پڑا کہ احادیثِ بالا سے عدمِ جواز کا شبہ پیدا نہ

---

[1] المدخل: ص:۱۸ [2] اللآلي [3] الاقتضاء: ص:۲۰٤ [4] روم:۲۲ [5] ابراهيم:٤

ہو کہ اللہ جل شانہٗ نے اختلافِ اَلسِنہ کو احسان کے طور پر بیان کیا ہے: ﴿وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ۝﴾ [۱] اسی طرح سے ہر نبی کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا۔ لہٰذا اپنی زبانوں میں کلام کرنا مکروہ نہیں ہے، بلکہ دوسری زبان اگر سیکھی جائے تو صرف عربی سیکھی جائے۔ تفاخر کے طور پر کوئی دوسری زبان فارسی ہو، انگریزی ہو، اس قابل نہیں کہ جس سے شرافت حاصل ہوتی ہو۔

حضرت عبداللہ ابنِ مبارک رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

لَا یُقْبَلُ الرَّجُلُ بِنَوْعٍ مِنَ الْعُلُوْمِ مَا لَمْ یُزَیِّنَ عِلْمَهُ بِالْعَرَبِیَّةِ.

آدمی کو کسی علم میں قبولیت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کو علمِ عربیت سے مزین نہ کرے۔

"المدخل إلى العربية" میں فرمایا کہ

أَنْفَقْتُ فِي الْحَدِيْث أَرْبَعِيْنَ أَلْفًا، وَفِي الْأَدَبِ سِتِّيْنَ أَلْفًا، وَلَيْتَ مَا أَنْفَقْتُهُ فِي الْحَدِيْث أَنْفَقْتُهُ فِي الْأَدَبِ. قِيْلَ لَهُ: كَيْفَ؟ قَالَ: لِأَنَّ الْخَطَأَ فِي الْأَدَبِ يُفْضِيْ إِلَى الْكُفْرِ.

یعنی فرمایا کہ میں نے علم حدیث کے حاصل کرنے میں چالیس ہزار خرچ کیے اور علمِ عربیت کو حاصل کرنے میں ساٹھ ہزار خرچ کیے اور کاش! جو میں نے علمِ حدیث میں خرچ کیے علمِ ادب میں خرچ کرتا۔ لوگوں نے کہا: یہ کیسے؟ تو فرمایا کہ اس وجہ سے کہ عربیت کی غلطی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

اور ان کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے، کیوں کہ جب علمِ ادبِ عربی میں وہ غلطی کرے گا تو حدیثِ پاک میں بھی اس سے غلطی ہوگی۔ اور پھر اندیشہ ہے کہ حضورِ پاک کے ارشاد: "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا، الحديث کی وعید میں داخل ہو جائے۔ نیز ابوالزناد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں:

مَا تَزَنْدَقَ مَنْ تَزَنْدَقَ بِالْمَشْرِقِ إِلَّا جَهْلًا بِكَلَامِ الْعَرَبِ. [۲]

مشرق میں جتنے زندیق ہوئے وہ کلامِ عربی سے ناواقفیت کی وجہ سے ہوئے۔

کلامِ عرب کے فضائل کے لیے ایک ہی فضیلت بہت کافی ہے کہ قرآنِ پاک اس زبان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۝﴾ [۳]

ارشاد فرمایا ہے اور قرآنِ پاک کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور وہ چوں کہ عربی میں ہے اس لیے گویا زبان عربی کی حفاظت اور بقا کا بھی اللہ جل شانہ کی طرف سے وعدہ ہو گیا۔ دنیا کی جتنی زبانیں ہیں وہ حکومتوں کے یا اقوام کے تغیر و تبدل سے بدلتی رہتی ہیں، مگر زبانِ عربی ہی ایک ایسی زبان ہے جس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے۔ اسی لیے یہ مبارک زبان بین الاقوامی زبان ہونے کے لحاظ سے بہت زیادہ قابلِ حفظ ہے کہ اخیر تک رہنے کا وعدہ ہے۔ اور اس کا ظہور بھی ہو رہا ہے کہ آج جرمنی، امریکا اور انگریزی ممالک میں ہمارے علمی ذخیرے اتنی کثرت سے شائع ہو رہے ہیں کہ حد و حساب نہیں۔ کاش! یہ چیزیں ممالکِ عربیہ سے شائع ہوتیں، یا ان ملکوں سے جہاں مسلمان کثرت سے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے ''بینات'' محرم ۱۳۸۶ھ میں اس کے متعلق بہت اچھا مضمون لکھا ہے جس کی ابتدا یہ ہے:

اسلام اور عربی زبان کا جو باہمی محکم رشتہ ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اسلام کا قانون عربی زبان میں ہے۔ اسلام کا آسمانی صحیفہ قرآنِ حکیم عربی زبان میں ہے۔ اسلام کے پیغمبر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مادری زبان عربی ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ کی تمام تر تعلیمات، ہدایات اور ارشادات کا پورا ذخیرہ عربی زبان میں ہے۔ اسلام کی اہم ترین عبادت صلاۃ (نماز) جس کو روئے زمین کے تمام مسلمان اپنے اپنے ملکوں میں روزانہ پانچ وقت پڑھتے ہیں، وہ عربی زبان میں ہے۔ یہ نماز ہی توحیدِ اسلام کا اعلیٰ ترین مظہر اور دینِ اسلام کی بنیادی عبادت ہے۔ پھر ہفتہ واری اسلام کا پیغام جمعہ کا خطبہ عربی زبان میں ہے۔ سال میں دو مرتبہ عمومی و اجتماعی پیغام عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا خطبہ تمام دنیا میں عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے۔ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے اُمت کی راہ نمائی کے لیے جو عجیب و غریب اذکار و دعائیں صبح سے شام تک ہر محل اور ہر موقع اور ہر کام کے لیے تلقین فرمائی ہیں، عبد و معبود کے درمیان تعلق و رابطہ پیدا کرنے، یا اس رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے جن سے زیادہ مؤثر اور کوئی تدبیر نہیں ہے، وہ سب عربی میں ہیں۔

بارگاہِ اقدس ربّ العالمین اور تجلیاتِ الٰہیہ کا سرچشمہ جس سرزمین میں واقع ہے مکہ مکرمہ

زادھا اللّٰہ تعالٰی شرفًا وتعظیمًا وتکریمًا ومھابۃً،وہ عرب ہے۔اور وہاں کے باشندوں کی زبان عربی ہے۔ سیدالکونین، رسول الثقلین، حضرت رسول اللہ ﷺ کی اقامت گاہ اور دارالہجرت جس سرزمینِ مقدس میں واقع ہے مدینہ منورہ زادھا اللّٰہ تعالٰی نورًا وطیبًا، وہ عرب ہے اور اس کے بسنے والوں کی زبان بھی عربی ہے۔ مکّہ معظمہ جس طرح عدنانی عرب کا مرکز تھا، اسی طرح ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ قحطانی عرب کا مرکز بن گیا۔ اور ان دونوں مرکزوں کی زبان اور تہذیب عہدِ قدیم سے آج تک عربی ہے۔ دونوں قوموں عدنانی اور قحطانی عربوں کا سرمایۂ تاریخ و ادب عربی زبان میں ہے۔قرآنِ کریم اور اسلام کے پہلے مخاطب جزیرۃ العرب میں بسنے والی پوری آبادی عرب ہے۔ جزیرۃ العرب سے باہر اسلام کے دو اہم ترین مرکز عراق وشام ہیں، دونوں ملک عربی زبان اور تہذیب کا گہوارہ تھے اور ہیں۔ مصر، لیبیا، سوڈان، مغربی افریقہ، الجزائر، تیونس اور مراکش وغیرہ، سب عربی بولنے والوں کے مرکزی مقامات ہیں۔اور شمالی افریقہ کی اکثریت کی زبان بھی عربی، یا بگڑی ہوئی عربی ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام رحمہم اللہ کے زمرے میں شامل عرب فاتحین جو اسلامی فتوحات کے سلسلے میں سندھ و ہند، افغانستان و بخارا سے لے کر اسپین تک نہ صرف پھیل گئے، بلکہ ان ملکوں میں بس بھی گئے تھے۔ان کے ذریعے ان ملکوں میں بھی عربی زبان پہنچ گئی۔ چوں کہ ان ملکوں کے تمام مسلمان قوموں کا دینی سرمایہ عربی زبان میں تھا، اس لیے ان ملکوں کی بھی دینی اور مذہبی زبان عربی بن گئی۔ چناں چہ نہ صرف یہ کہ ان ممالکِ اسلامیہ میں لائقِ فخر عربی دان پیدا ہوئے، بلکہ عجمی ممالک کے ان مراکز سے بھی عربی کے وہ مایہ ناز ماہرین و مُوجدینِ علوم وفنون پیدا ہوئے، جن کی نظیر کا دنیا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ ان ہی عجمی علما کی بدولت عربی علوم میں صرف ونحو، معانی، بیان، بدیع، لغت، عربی رسم الخط، علم الاشتقاق، عروض وقافیہ اور شعر وادب اور اسلامی علوم میں تفسیر واصولِ تفسیر، حدیث و اصولِ حدیث، فقہ و اصولِ فقہ، عقائد وتوحید، کلام اور آلی علوم: منطق، فلسفہ ہیئت، ریاضی وغیرہ علوم کا سارا ذخیرہ عربی زبان میں ڈھل گیا۔اور نہ صرف یہ بلکہ

عربی زبان کے حقائق، فقہ ولغت کی باریکیاں اور حیرت انگیز لسانی خصوصیات، عربی تلفظ کی صحت وسہولت کے قواعد وضوابط اور لسانی حسن وجمال کی نیرنگیاں وغیرہ وہ علمی سرمائے ہیں کہ عربی کے علاوہ دنیا کی اور دوسری زبانوں میں ان کا پتا تک نہیں ہے۔

الغرض دینی علوم ہوں یا اسلامی تاریخ، وحیٔ الٰہی کا منبع ہوں یا تعلیم وتربیتِ نبوی ﷺ کا سرچشمہ، اتحادِ اسلامی کا عظیم مقصد ہو یا بین المملکتی سیاسی مفاد ومصالح، ہر لحاظ سے اور ہر حیثیت سے عربی زبان کی اہمیت سے انکار جنون کے مرادف ہے۔ عصرِ حاضر میں بھی صحرائے عرب میں جزیرۃ العرب کے اندر اور جزیرۃ العرب کے باہر اللہ تعالیٰ کی قدرت ومشیت سے جو زرسیال، پیٹرول اور دوسرے معادن کے اُبلتے ہوئے چشمے نمودار ہوگئے ہیں، انھوں نے ان بادیہ نشینوں اور خانہ بدوشوں عرب اقوام کو عزت ومجد اور عظمت وثروت کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا ہے کہ آج روس، امریکا، فرانس وبرطانیہ جیسے اعدائے اسلام بھی اپنے اقتصادی وسیاسی مفاد ومصالح کی خاطر ان بدویوں کی خوشامد پر اور اس کے لیے عربی زبان سیکھنے اور بولنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ اسی لیے تمام یورپین ممالک کے لیے عربی زبان وادب کی درس گاہیں کھولنا اور ان کو فروغ دینا ناگزیر ہوگیا ہے۔ کویت کا صحرا آج وہ دولت وثروت اُگل رہا ہے جس کی بہ دولت انگلستان کی باغ وبہار قائم ہے۔ اگر آج کویت کی دولت انگلستان کے بنکوں سے نکال لی جائے تو برطانیہ کا دیوالا نکل جائے۔

غرض جس طرح عہدِ ماضی میں روحانی ہدایت کے سرچشمے صحرائے عرب سے پھوٹے۔ آج بالکل اسی طرح مادی دولت وثروت کے سرچشمے بھی اسی سرزمین سے اُبل رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دین ہو یا دنیا، روحانیت ہو یا مادّیت، ہر جہت اور ہر حیثیت سے عربی زبان دنیا کی تمام قوموں کے لیے اپنی غیر معمولی اہمیت کی بنا پر قابلِ توجہ بنی ہوئی ہے۔

اس کے بعد مولانا نے مملکتِ پاکستان کو عربیت کی طرف بہت زیادہ متوجہ کیا ہے اور صحیح کیا ہے۔ اور اس کے بعد لکھا ہے کہ عربی زبان سیکھنے کے لیے جہاں تک معمولی نوشت وخواند کا تعلق ہے، صرف تین چار ماہ کا عرصہ کافی ہے۔ ہاں! عربی زبان وادب کی مہارت اور لسانی علوم وفنون، صرف ونحو، معانی، بیان وبدیع اور قرآنی اعجاز کے حقائق تک پہنچنا، تو اس کے لیے

بے شک عمریں درکار ہیں۔ مولانا نے یہ بالکل صحیح لکھا کہ جہاں تک عربی نوشت وخواند کا تعلق ہے اس کے لیے صرف تین چار ماہ کا عرصہ کافی ہے۔

میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ عربی سمجھنے اور بولنے کے لیے بہتر (۷۲) گھنٹے کافی ہیں۔ چناں چہ سہارن پور کے قیام میں بہت سے گریجویٹ اور انگریزی خوانوں کو انھوں نے عربی اسی طرح پڑھائی، مگر وہ بہتر (۷۲) گھنٹے مسلسل نہیں مانگتے تھے۔ بلکہ ہر اتوار کو دو گھنٹے مانگتے تھے اور اس میں چند قواعد لکھوا دیتے تھے اور آٹھ دن تک مشق کرواتے تھے۔ بلکہ ان کے مخصوص شاگرد جو باقاعدہ عربی پڑھنے والے ہوتے تھے، ان کو وہ مدرسے کے نصاب کے موافق نہیں پڑھاتے تھے، بلکہ اپنے مخصوص طرز پر پڑھاتے تھے۔ ہم لوگوں نے بھی جو ان کے مخصوص شاگرد تھے اور مدرسے میں داخل ہو کر نہیں پڑھتے تھے ان کو وہ صرف ونحو کے قواعد لکھوا کر مشق کروایا کرتے تھے۔ خوب یاد ہے کہ وہ دو حرف ب، ت لکھوا کر اس کے صیغے بنوایا کرتے تھے۔ ''آپ بیتی'' میں بھی غالباً اس قسم کی چیزیں کئی آچکی ہیں کہ سہارن پور سے دہلی جانے والی ریل پر مظفر نگر سے اگلا اسٹیشن کھاتولی ہے۔ اس اسٹیشن سے صیغے بناتے ہوئے دہلی تک پہنچنا خوب یاد ہے۔ مفرد، وُحدانی، ثُنائی اور ثُلاثی جملے اس لفظ سے بنانے یاد ہیں۔ اسی طرح سے جملوں کی ترکیبیں بھی اپنے مخصوص شاگردوں سے بنوایا کرتے تھے۔ یوسُن فِ زلیخا ''فا'' کے کسرہ کے ساتھ کی ترکیب بنانا بھی یاد ہے۔

عربی زبان آسان بھی اتنی زیادہ ہے کہ جو بچے حج کے واسطے مہینے دو مہینے کو آتے ہیں، ناسمجھ بچے اس سفر کے دوران میں اچھے خاصے الفاظ یاد کر کے جاتے ہیں، جس کو اپنے گھر پہنچ کر ایک مہینے تک تو تقریباً بولتے ہی رہتے ہیں۔ اب تو حرمین شریفین میں اردو عام طور سے سمجھی جانے لگی۔ اب سے ساٹھ برس پہلے قطب عالم حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا حج کے متعلق ایک رسالہ بنام ''زبدۃ المناسک'' میرے والد صاحب کا طبع کیا ہوا تھا۔ اس کے آخر میں ایک چھوٹا سا رسالہ ''انیس الحجاج خلاصہ معین الحجاج'' بھی طبع ہوا تھا۔ اب چوں کہ یہاں اردو عام طور سے شائع ہوگئی، اس لیے اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ تبلیغی احباب جو ممالک عربیہ میں تبلیغ کے لیے جاتے ہیں ان کو اس رسالے کو ضرور یاد کر لینا

چاہیے۔ بہت مفید ہے۔

۷. ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ الآية.[۱]

اے محمد ﷺ! آپ ان سے فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

کون مسلمان ایسا ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت نہ ہو اور اس کو قابلِ صد اعزاز نہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے محبت ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے قرآنِ پاک میں اس کا بہت آسان نسخہ بتایا ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ سے فرمایا ہے کہ اپنی اُمت سے کہہ دیجیے کہ اگر تمھیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تمھیں محبوب رکھے گا۔ حضورِ اقدس ﷺ کے اتباع میں ہر وہ چیز داخل ہے، جس کا ہم تحمل کر سکیں۔ اپنے ضعفِ بدن اور ضعفِ ایمان و ضعفِ توکل کی وجہ سے جن چیزوں کا تحمل نہیں کر سکتے ان میں تو معذوری ہے، لیکن جن میں معذوری نہیں ہے، اس میں اتباع نہ کرنا بڑی زیادتی ہے۔ زبان کے مسئلے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ بہت تھوڑی سی محنت سے عربی آسکتی ہے جیسا کہ پہلے لکھوا چکا ہوں۔ اور اگر یہ زبان سیکھی نہ جائے تو کم سے کم اس سے محبت ہونی تو بہت ضروری ہے، اس کی رغبت اور تمنا تو ہر مسلمان کے دل میں ہونی چاہیے۔ لوگ انگریزی بولنے پر فخر کرتے ہیں، حالاں کہ قابلِ فخر تو صرف حضورِ پاک ﷺ کی ہی زبان ہو سکتی ہے۔ بلکہ انگریزی تعلیمات کے اثرات کے بارے میں ہمارے حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہٗ اپنے مکاتیب و تقاریر و ملفوظات میں کثرت سے ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کا یہ مقولہ نقل کرتے رہتے تھے کہ ہمارے کالجوں، اسکولوں سے پڑھا ہوا کوئی ہندو یا مسلمان ایسا نہیں ہے جس نے اپنے بزرگوں کے مذہبی عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو۔[۲] نیز ''نقشِ حیات'' میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ لارڈ میکالے اور اس کی کمیٹی اپنے تعلیمی اغراض و مقاصد اور ان کی اسکیم کی رپورٹ میں مندرجہ ذیل کلمات تحریر کرتی ہے کہ ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو۔ اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق، رائے، الفاظ اور سمجھ کے

---

[۱] آل عمران: ۳۱ [۲] مکتوباتِ شیخ الاسلام: ۱/۳۶۰

اعتبار سے انگریز ہو۔[1]

اسی طرح حضرت نے ہنٹر کا دوسرا مقولہ یہ نقل کیا ہے کہ ہمارے اینگلو انڈین اسکولوں سے کوئی نوجوان خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، ایسا نہیں نکلتا جو اپنے آبا و اجداد کے مذہب سے انکار کرنا نہ جانتا ہو۔ ایشیا کے پھلنے پھولنے والے مذاہب جب مغربی سائنس بستہ حقائق کے مقابلے میں آتے ہیں تو سوکھ کر لکڑی ہو جاتے ہیں۔[2]

اب مسلمانوں کے لیے قابلِ غور چیز یہ ہے کہ مذہبی عقائد جب فنا ہو جائیں گے تو مسلمانی کس چیز کی رہ جائے گی اور جب مسلمانی نہ رہے گی تو آخرت میں سوائے جہنم کے اور کیا ملے گا؟

اور سب سے زیادہ تعجب، رنج اور قلق مجھے اس وقت ہوتا ہے جب کسی شیخ، یا عالم دین کے لڑکے کے متعلق مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگریزی پڑھ رہا ہے۔ میں دیر تک سوچتا رہتا ہوں کہ اس کے دادا نے تو اپنی اولاد کو عربی اور دینی تعلیم دے کر مولوی بنایا اور اپنے لیے ذخیرۂ آخرت حاصل کیا، صدقۂ جاریہ بنایا۔ اور اس کے باپ نے اپنی اولاد کے ساتھ کیسا ظلم کیا کہ اپنے لیے ذخیرۂ آخرت بنانا تو درکنار خود اپنے کو كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ کی بنا پر جواب دہ بنا ہی لیا اور اس لڑکے کو جہنم کے کنارے پہنچا دیا۔ اگرچہ بہت سے لڑکے ماں باپ کی نافرمانی کے بعد یہ حرکت کرتے ہیں۔ اوّل تو وہ دین سے اور اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ ان کو سمجھانا چاہیے اور خود سوچنا چاہیے کہ اگر اولاد کوئی دنیاوی نقصان کرنا شروع کر دے تو کیا ماں باپ خاموش ہو جاتے ہیں! چوری کرنا شروع کر دے، یا فاحشہ عورتوں سے تعلقات قائم کر لے تو کیا ماں باپ اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ یہ لڑکا مانتا نہیں۔ اور یہ تجربہ تو میرا خود ذاتی سینکڑوں پر ہے کہ ہمارے مدارسِ عربیہ سے پڑھ کر جانے والے جب انگریزی پڑھنے کے لیے اسکولوں میں جاتے ہیں تو یہاں سے وہاں تک پہنچنے کے درمیان میں نماز باجماعت اور ڈاڑھی کو تو خیر باد راستے ہی میں کر دیتے ہیں۔ یہ تو عام مشاہدہ ہے، اور پھر ترقی کر کے میکالے وغیرہ کے مقصد تک پہنچ جاتے ہیں۔

[1] نقشِ حیات: ۱/۱۶۰ [2] ص: ۱۱۰

واضح رہے کہ اس سب نفرت و بیزاری کا تعلق ان مضامین سے ہے جو آج کل انگریزی زبان میں شائع اور اس کے کورس میں داخل ہیں۔ ورنہ نفس زبان میں اتنا اشکال نہیں۔ بہ ضرورت سیکھنے میں اتنا نقصان نہیں۔ چناں چہ ''بخاری'' میں حضرت زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی زبان سیکھنے کے لیے فرمایا۔ اور میں نے یہود کی زبان سیکھ لی۔ حتیٰ کہ یہود سے خط و کتابت میں ہی کیا کرتا تھا۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے ''فتح الباری'' میں مفصل روایت نقل کی ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود پر مجھے اطمینان نہیں۔ چناں چہ میں نے پندرہ دن میں ان کی زبان سیکھ لی اور یہود کے آمدہ خطوط میں ہی سنایا کرتا تھا اور ان کے جوابات بھی میں ہی لکھا کرتا تھا۔

میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت گنگوہی کے وصال کے دو سال بعد انگریزی سیکھی تھی۔ مگر بغیر اُستاد کے۔ جب استنجا کے لیے جاتے تو دو چار لغت کتاب میں دیکھ کر جاتے۔ اتنے استنجا سکھاتے اس کو یاد کرتے رہتے، کبھی اُستاد سے باقاعدہ نہیں پڑھا۔ البتہ کتاب دیکھتے ہوئے جو چیز سمجھ میں نہیں آتی اس پر نشان لگا دیتے۔ اور جب کوئی انگریزی داں مل جاتا اس سے سمجھ لیتے۔ کبھی کوئی کتاب خریدی بھی نہیں، دوستوں سے کتاب مانگ لیتے اور فارغ ہونے کے بعد اس کو واپس کر دیتے۔ مجھے یاد ہے کہ دوسرے سال میں ایک دوست سے کتاب مانگی تھی تو اس نے کہا کہ حضرت! یہ تو بی۔ اے کی ہے، تو والد صاحب نے اس سے کتاب لے کر ایک دو ورق سنائے تو وہ حیرت میں رہ گیا۔

اگر چہ متکلم کا اثر کلام میں ضرور ہوتا ہے، قرآن و حدیث میں جو اثرات ہوں گے وہ ظاہر ہے۔ اور اس کافروں کی زبان میں جو اثر ہوگا وہ بھی ظاہر ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جس دن میں نے ''میبذی'' شروع کی تھی اس رات کو میں نے خواب دیکھا تھا کہ میں ہاتھی پر سوار ہوں۔ بڑی خوشی سے خواب ابا جان کو سنایا تو انھوں نے کہا کہ ہاتھی اور سُور کی صورت ایک سی ہوتی ہے۔ ''میبذی'' شروع کرنا ظاہر میں تو ہاتھی پر بیٹھنا ہے، لیکن حقیقت میں سُور پر بیٹھنا ہے۔

قطب الارشاد حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی فلسفہ سے نفرت حضرت کی سوانح اور ملفوظات میں بیسیوں جگہ مذکور ہے۔ ''تاریخ مظاہر'' میں ۱۳۰۱ھ میں لکھا ہے کہ حضرت گنگوہی

نور اللہ مرقدہٗ مظاہر میں تشریف لائے اور اہلِ مدرسہ کے اصرار پر بعض طلبہ کا امتحان بھی لیا اور اس کے بعد جو معاینہ تحریر فرمایا، بہت طویل ہے۔ اس کے چند الفاظ یہ ہیں کہ مہتمم صاحب کو ضروری ہے کہ اس امر میں سعی فرمائیں کہ طلبہ حدیث وفقہ کو بہ غور وتدبر پڑھیں کہ اصل مقصد بِنائے مدارس سے یہ ہے اور بس۔ اور دیگر فنون یا خادم ومبادی اس کے ہیں جیسے: فنونِ عربیہ وادبیہ واصول، یامخل ومضر اس کے جیسے: فلسفۂ جہلِ مرکب۔ فقط

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ انگریزی تعلیم کا حصول معاشی مشکلات کی وجہ سے ہوتا ہے، مگر اس پر تو ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ روزی جس قدر مقدر کردی گئی وہ اتنی ہی ملے گی، کمی وزیادتی نہیں ہوسکتی۔ اس ناکارہ نے ۱۳۱۰ھ کے قریب ایک رسالہ تقدیر پر لکھا تھا، اس میں بہت تفصیل سے یہ لکھا تھا کہ آدمی کے مقدر میں جو ہوتا ہے وہ اس کو مل کر رہتا ہے، چاہے خوشی سے لے یا ناراضگی سے۔ اور اس کے بہت سے واقعات اور نظائر بھی لکھے تھے کہ روزی تو مقدر سے زیادہ ملتی نہیں اور آدمی اس چند روزہ زندگی میں آخرت کے لیے چاہے پاس ہونے کی محنت کرے یا فیل ہونے کی۔ رسالے میں میں نے بہت کچھ لکھا تھا اور اب وہ رسالہ یاد بھی نہیں۔ میں نے اس وقت اپنا اندازہ لکھا تھا کہ آدمیوں کے تین طبقے ہیں: اوّل غُربا، جن کا رزق آنہ آنہ سے زیادہ کا نہیں۔ اور متوسط کا آٹھ دس کا۔ اور اُمرا کا ایک روپیہ سوا روپیہ تک۔ اس سے زائد نہیں۔ اور جو اس سے زیادہ ہو وہ دوسروں کا ہوتا ہے۔ اور یہ اللہ کی طرف سے ان کی روزی پہنچانے کا ذمّہ دار ہوجاتا ہے۔ اور جس کے مقدر میں عمدہ کھانا ہوتا ہے، وہ اگر باحیثیت ہے تو اپنے طور پر کھائے گا، اور اگر اللہ تعالیٰ کے کرم سے مشائخ میں سے ہے تو دوسروں سے خوشامد کرا کر کھائے گا، ورنہ کسی رئیس کا باورچی بن کر کھالے گا۔ جس کے مقدر میں موٹر کار کی سواری لکھ دی وہ یا تو دنیاوی حیثیت سے اس میں سفر کرے گا یا دینی حیثیت سے، ورنہ پھر ڈرائیور بن جائے گا۔ اپنے اکابر کو اسفار میں خوب دیکھا ہے کہ ان کے پاس ۵، ۵۔۶، ۶ گاڑیاں ان کے متعلقین لاکر کھڑی کردیتے تھے کہ حضرت! ہماری گاڑی میں سفر کریں۔ اسی طرح جس کی قسمت میں جیل میں جانا لکھا ہے وہ یا تو شیخ الہند یا شیخ الاسلام بن کر جائے گا، یا چور ڈاکو بن کر۔

اللہ جل شانہٗ نے روزی کا ذمہ اپنے ذمے لیا ہے۔

چناں چہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾[1] اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

اور آدمی کو صرف عبادت کے لیے بنایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝﴾[2] اور میں نے جن وانسان کو اسی واسطے پیدا کیا کہ میری عبادت کیا کریں۔

بڑی حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ جس مالک نے ہماری روزی کا وعدہ لے رکھا ہے، اس کے لیے تو ہم دین و دنیا سب کو برباد کر رہے ہیں۔ اور جس کے لیے ہم کو پیدا کیا اور ہم سے مطالبہ ہے، اس کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں۔ میرا صرف ایمان ہی نہیں بلکہ اس پر سینکڑوں تجربے بھی ہیں، مگر یہ جگہ ان تجربات کے لکھنے کی نہیں ہے۔ البتہ ایک دو واقعے لکھوا دیتا ہوں:

۱۔ دیوبند کے بیر بہت مشہور ہوتے ہیں۔ وہاں کے ایک بزرگ مولانا الحاج سیّد اصغر حسین صاحب اُستاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند ہر سال مجھ کو بیر بھیجا کرتے تھے، اُن کا جب رانديرمیں انتقال ہوا تو میرے محترم مولوی سعید احمد گنگوہی اُستاذِ دارالعلوم دیوبند نے اسی سال مستقل معمول بنالیا، اب وہ ہر سال بھیجتے ہیں، حالاں کہ ان کو سیّد صاحب کا بھیجنا معلوم بھی نہیں تھا۔

اسی طرح میرے ایک عزیز متولی ریاض الاسلام صاحب ہر سال ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ جس سال ان کا انتقال ہوا ہے تو کلکتہ کے ایک صاحب نے اسی سال سے وہی مقدار متعین کرکے بھیجنی شروع کردی۔ میرا تو اس پر یقین ہوگیا کہ دینے والی ذات اللہ ہی کی ہے۔

۲۔ میری والدہ کے حقیقی چچا زاد بھائی مجھ پر بہت مشفق تھے وہ علی گڑھ میں بارہ سو روپیہ ماہانہ لیتے تھے۔ جب بھی وہ سہارن پور آتے تو مجھ پر بہت اصرار کرتے کہ مدرسے میں انگریزی ضرور داخل کرو، لیکن میں شدّت سے انکار کرتا اور اس پر بہت طویل مناظرہ ہوتا۔ ایک مرتبہ وہ

---

[1] هود: ٦ [2] الذّٰريٰت: ٥٦

جمعے کو تشریف لائے۔ جمعے کے دن چار پانچ دوست مجھے نہلانے کے لیے آتے تھے۔ انھوں نے آ کر نہلانا شروع کر دیا، وہ مجھے غور سے دیکھتے رہے۔ ان ہی ایام میں میرے بائیں ہاتھ کے کسی ناخن میں کچھ نکل رہا تھا۔ کھانے کے بعد ایک شخص پانی لایا اور دوسرا شخص صابن۔ انھوں نے میرے ہاتھ دھلائے۔ اس پر ماموں صاحب کو بہت غصہ آیا اور کہنے لگے: بھائی زکریا! تنعّم کی بھی حد ہوتی ہے تم سے اپنے ہاتھ بھی نہیں دُھلتے۔ میں نے کہا کہ ماموں جی! میں غریب آدمی ہوں۔ ڈیڑھ ہزار روپیہ تنخواہ ملتی نہیں۔ انگریزی پڑھی نہیں۔ اس پر وہ بولے کہ ایسی تیسی ڈیڑھ ہزار کی تنخواہ کی، ہمیں یہ چیزیں کہاں میسّر۔ اس نوع کے بہت سے واقعات مجھ پر گزرے۔ میرے دوست کہتے ہیں کہ یہ متفرق واقعات ''آپ بیتی'' میں گزر چکے۔

یہ سارے انعامات دنیا میں خوب ملے۔ اب مالک اپنے فضل و کرم سے آخرت میں کامیاب فرما دے تو اس کے لطفِ بے کراں سے اُمید ہے۔ لیکن اگر اپنے اعمال کے مطابق معاملہ ہو گیا تو یہ ساری راحتیں، نعمتیں ﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا﴾[1] ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہی حفاظت فرمائیں۔

يَظُنُّ النَّاسُ بِيْ خَيْرًا وَإِنِّيْ
لَشَرُّ الْخَلْقِ إِنْ لَّمْ يَعْفُ عَنِّيْ

یعنی لوگ میرے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہیں، لیکن میں بدترین خلائق ہوں اگر اللہ تعالیٰ معاف نہ کرے۔

یہاں آ کر خوب طبیعت چلی، مگر چوں کہ ان واقعات کو عربی سے تعلق نہیں اس لیے مختصر ہی رکھا۔ اور اتنا بھی یہ سوچ کر لکھ دیا کہ لوگ عربی پڑھنے کو فقر کا ذریعہ اور انگریزی پڑھنے کو امارت و ریاست کا سبب سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ کتنے ہی لوگوں کو ڈگریوں کے پلندے جیب میں ڈال کر خالی پھرتے اور خوشامدیں کرتے اور سفارشیں کراتے دیکھا گیا ہے۔ اور اگر درمیان میں موت آ جائے تو سارا قصہ ہی پاک ہو جاتا ہے۔

[1] الأحقاف: ٢٠

۸. ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾[1]	اے ایمان والو! جب جمعے کے روز نمازِ جمعہ کے لیے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد کی طرف چل پڑا کرو۔

جمہور محدثین، مفسرین کے نزدیک ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے جیسا کہ "أوجز المسالك" اور "لامع الدراری" میں مفصل مذکور ہے۔ "اوجز" میں جصاص کے "احکام القرآن" سے نقل کیا ہے کہ قرآنِ پاک کی آیت ﴿فَاسْعَوْا﴾ امر کے صیغے کے ساتھ اس بات کی مقتضی ہے کہ سعی واجب ہے ذکر یعنی خطبہ کی طرف۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ اس جگہ ایک ایسا ذکر ہے جس کی طرف سعی واجب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جمعہ کی نماز چار کے بجائے دو رکعت خطبے کی وجہ سے کی گئی اور اس بات پر کہ ذکر سے مراد خطبہ ہے، یہ دلیل بھی ہے کہ اذان کے متصل خطبہ ہی ہوتا ہے۔ اور سلف کی ایک جماعت سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر خطبہ نہ ہو تو جمعہ کی نماز نہیں ہوئی۔ اور یہی قول فُقہا کا ہے۔ جب یہ جمعہ کی دو رکعتوں کا بدل ہے تو نماز کی رکعات کی طرح اس کا بھی عربی میں ہونا ضروری ہے۔ جب نماز اردو میں نہیں ہو سکتی تو خطبہ بھی اردو میں جائز نہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خطبہ کی غرض وعظ ہے، اس کو اردو میں ہونا چاہیے۔ دین اور علم سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔ خطبہ نمازِ جمعہ کا جز ہے اور اس کے لیے وہی شرائط ہیں جو نماز کے لیے ہیں۔ ورنہ جمعہ کے وقت ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ حالاں کہ عُلما نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص خطبہ زوال سے پہلے پڑھ دے اور نماز زوال کے بعد پڑھے تو جمعہ نہیں ہوگا۔ اس طرح اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز پہلے پڑھ لے اور خطبہ بعد میں عید کی طرح سے، تو جمعہ نہیں ہوگا۔ یہ مسئلہ تو بہت معروف و مشہور ہے۔ اور عُلما نے اس سلسلے میں بہت سے رسائل اردو عربی میں لکھے بھی ہیں۔ مفتی محمد شفیع سابق مفتیٔ اعظم دیوبند حال مفتیٔ اعظم کراچی نے اس سلسلے میں مستقل رسالہ "الأعجوبة في عربية خطبة العروبة" لکھا ہے۔ جس میں بہت تفصیل سے اس مضمون کو ذکر کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ خطبہ کے فرض صرف دو ہیں: ایک وقتِ جمعہ اور دوسرا مطلق ذکر اللہ تعالیٰ۔ اور بقیہ آداب و سنن پندرہ ہیں:

[1] الجمعة: ۹

۱۔ طہارت۔ اسی لیے بلا وضو خطبہ پڑھنا مکروہ ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

۲۔ کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا، اس کے خلاف مکروہ ہے۔

۳۔ قوم کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ پڑھنا۔

۴۔ خطبہ سے پہلے آہستہ اعوذ باللہ پڑھنا (علی قول ابی یوسف)

۵۔ خطبہ کا لوگوں کو سنانا۔ اس لیے اگر آہستہ پڑھ لیا تو اگرچہ فرض ادا ہو گیا مگر کراہت رہی۔

۶۔ یہ کہ خطبہ مختصر پڑھنا۔ جو مندرجہ ذیل چیزوں پر مشتمل ہو:

۱۔ حمد سے شروع کرنا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی ثنا کرنا۔

۳۔ کلمۂ شہادتین پڑھنا۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا۔

۵۔ وعظ و نصیحت کرنا۔

۶۔ کوئی آیت قرآنِ مجید کی پڑھنا۔

۷۔ دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑا سا بیٹھنا۔

۸۔ دوسرے خطبے میں دوبارہ حمد و ثنا اور درود پڑھنا۔

۹۔ تمام مسلمان مرد و عورت کے لیے دعا مانگنا۔

۱۰۔ دو خطبوں کو مختصر کرنا۔ (جس کی انتہا یہ ہے کہ طوالِ مفصل کی سورتوں میں سے کسی سورت کے برابر ہو۔ از زکریا) فقۂ حنبلی کی مشہور کتاب ''مغنی'' میں لکھا ہے کہ خطبے کا مختصر کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ نماز کا لمبا کرنا اور خطبے کا مختصر کرنا آدمی کی فقاہت کی علامت ہے۔ لہٰذا نماز کو لمبی کیا کرو اور خطبے کو مختصر کیا کرو[1] اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے خطبے کو طویل نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ چند عام فہم مختصر کلمات ہوتے تھے۔[2]

[1] رواہ مسلم [2] رواہ ابوداود

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے حضور اقدس ﷺ کے خطبات جمع کیے ہیں جن کا نام ''خطباتِ ماثورہ'' ہے۔

''موطا امام مالک رحمہ اللہ'' میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، انھوں نے ایک شخص سے فرمایا کہ تو ایسے زمانے میں ہے کہ فُقہا بہت ہیں اور قراء کم ہیں۔ نماز کو طویل کرتے ہیں اور خطبے کو مختصر کرتے ہیں۔ اور عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ جس میں فُقہا کم ہوں گے اور قراء بڑھ جائیں گے، اس زمانے میں خطبے کو لمبا کریں گے اور نماز کو مختصر کریں گے۔[1]

اس طرح پر یہ پندرہ سنتیں خطبے کی ہوگئیں، جن کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔ مگر خطبہ ادا ہوجاتا ہے اور نمازِ جمعہ صحیح ہوجاتی ہے۔ اسی کے ساتھ ایک سولھویں سنت اور ہے جو ان ہی دلائل سے ثابت ہے جن سے مذکور الصدر پندرہ سنتیں ثابت ہیں۔ یعنی نبی کریم ﷺ کا تعامل اور مواظبت، کہ اسی سے اکثر سننِ مذکورہ ثابت ہوئی ہیں۔ اور اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ صرف عربی زبان میں ہو۔ غیر عربی میں نہ ہو۔ کیوں کہ نہ تمام عمر آں حضرت ﷺ سے اس کے خلاف ثابت ہوا اور نہ آپ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کبھی غیر عربی میں خطبہ پڑھنا ثابت ہوا۔ حالاں کہ ان میں سے بہت سے حضرات عجمی زبانوں سے واقف تھے۔ اس کے بعد مفتی صاحب نے ان سنن کے دلائل لکھے ہیں۔ اور اخیر میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی تقریظ اس رسالے پر مختصر الفاظ میں یہ ہے:

بعد الحمد والصلاۃ، میں نے رسالہ ''جامع الكمالات العلمية'' مولانا محمد شفیع مدرس و مفتی مدرسہ دار العلوم دیوبند دام فیضہ، نہایت شوق اور رغبت سے دیکھا، بے حد پسند کیا۔ بلا تکلف کہہ سکتا ہوں کہ اس موضوع میں بے نظیر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور شبہات کا رافع فرما دے۔ بہ طور تذنیب میں بھی بعض فوائدِ مناسبہ اسی کے ساتھ ملحق کرنا چاہتا ہوں:

ا۔ بڑی بِنائے عقلی غیر عربی میں خطبہ جائز رکھنے والوں کی یہ ہے کہ یہ تذکیر ہے۔ اور تذکیر مخاطبین کی زبان میں ہونا چاہیے، ورنہ عبث ہے۔ اس کا ایک تحقیقی جواب ہے اور ایک الزامی۔ تحقیقی یہ ہے کہ اس کا تذکیر ہونا مسلّم نہیں۔ خود قرآنِ مجید میں اس کو ذکر فرمایا گیا ہے۔

---

[1] موطا، باب العمل في جامع الصلاة

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ الآیۃ[1] خصوص مذہب حنفی کی تصریح پر:

کَفَتْ تَسْبِیْحَۃٌ وَتَحْمِیْدَۃٌ | کہ خطبے میں ایک دفعہ سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنا کافی ہے۔

اور تسبیح اور تحمید کا تذکیر نہ ہونا ظاہر ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ صرف ذکر ہے تذکیر نہیں۔ إلّا تَبَعًا. اور الزامی یہ ہے کہ قرآنِ مجید بہ نصِ قرآنی تذکیر ہے۔ قَالَ تعالٰی: ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۝﴾[2] تو چاہیے کہ اس کو بھی نماز میں حاضرین کی زبان میں پڑھا کریں۔ پس جس طرح اس کا عربی زبان میں پڑھنا امرِ تعبدی ہے۔ اسی طرح خطبے کا عربی زبان میں پڑھنا۔ الخ

۲۔ (از زکریا، اگر یہ محض تذکیر ہے تو اس کے لیے زوال کے بعد ہونا کیوں ضروری ہے؟ حتیٰ کہ اگر زوال سے پہلے خطبہ ہو جائے تو جمعہ نہیں ہوتا۔

۳۔ اگر سننے والے سارے بہرے ہوں یا دوری کی وجہ سے سن نہ سکیں تو خطبہ کافی ہے۔ کما فی البحر.[3]

۴۔ اگر خطبہ پڑھنے کے بعد امام کسی کام میں مشغول ہو گیا اور نماز میں معتد بہ فصل ہو گیا تو قولِ مختار کے موافق خطبے کا اعادہ کرنا ضروری ہوگا، اگرچہ سننے والے وہی ہوں جو پہلے تھے۔ اگر صرف پند و وعظ ہی ہوتا تو اس اعادے کی کیا ضرورت تھی؟

۵۔ اور بہت سے علما نے خطبے کو دو رکعتوں کے قائم مقام کیا ہے۔

۶۔ اس کے علاوہ سیاسی و ملکی عرف بھی یہی ہے کہ ملک کی زبان ملک میں جاری ہوا کرتی ہے۔) مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں[4] کہ حافظ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں عرب و عجم کی زبان پر مفصّل کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَاعْلَمْ اَنَّ اعْتِیَادَ اللُّغَۃِ مُؤَثِّرٌ فِي الْعَقْلِ وَالْخُلُقِ وَالدِّیْنِ تَاْثِیْرًا بَیِّنًا. | یعنی سمجھ لو کہ کسی خاص زبان کی عادت ڈال لینا عقل اور اخلاق اور دین میں بہت بڑی قوی تاثیر رکھتا ہے جو بالکل ظاہر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بادشاہ اپنی قومی زبان کو اپنی مملکت میں رائج کرنے کے لیے طرح طرح

---

[1] الجمعۃ: ۹ [2] التکویر: ۲۷ [3] الاجوبہ مفتی محمد شفیع، ص:۲۵۶ [4] جواہر، ص:۳۱۰

کی کوشش کرتا ہے۔ یورپین قومیں جب ہندوستان پر قبضہ کرتی ہیں تو ہزاروں روپے خرچ کر کے اپنی خاص قومی زبان کو ہندوستان کی معاشرت کا جزوِ اعظم بنا دیتی ہیں۔ ہندوستان میں اب اگرچہ زبانِ انگریزی کا عموم اور شیوع بہت کچھ ہو چکا ہے۔ لیکن اب بھی اگر مجموعی حیثیت سے مردم شماری پر نظر ڈالی جائے کُل ہندوستانی قلم رو میں شاید پانچ فیصد اشخاص بھی انگریزی جاننے والے نہ نکلیں گے۔ لیکن اس کے باوجود حکومت کی طرف سے جو پُرزۂ کاغذ چلتا ہے تو انگریزی زبان کے سکے کے ساتھ چلتا ہے۔ ڈاک خانے کے تمام کاغذات، ریلوے کے ٹکٹ، بلٹیاں، اور تمام کاغذات اور تمام عدالتوں کے عام کاغذات جو خاص طور سے ہندوستانیوں ہی کی اطلاع و کاروبار کے لیے جاری کیے جاتے ہیں، وہ سب انگریزی زبان میں لکھے جاتے ہیں۔ خلق اللہ اس غیر زبان کی وجہ سے پریشان ہوتی ہے۔

ہمارے روشن خیال جو عُلما سے یہ سوال کرتے ہیں کہ عربی زبان میں خطبہ پڑھنے سے کیا فائدہ؟ کبھی اس طرف بھی نظرِ عنایت متوجہ فرمائی ہے کہ انگریزی زبان میں ڈاک اور ریل کے ٹکٹ اور بلٹی وغیرہ چھاپنے سے کیا فائدہ؟

خاتمہ

اس رسالے کی ابتدا خواب سے ہوئی تھی۔ جیسا کہ شروع میں لکھا گیا کہ اس رسالے کی ابتدا خواب سے ہے۔ خاتمہ بھی ایک خواب پر کرتا ہوں۔

اس ناکارہ کی ہندوستان سے حجازِ مقدس کے لیے واپسی ہوتی ہے تو طیارے سے ہوتی ہے۔ مگر اس مرتبہ کچھ قانونی مجبوریوں کی وجہ سے بجائے طیارے کے خشکی بورڈ سے آنا ہوا۔ بہ راہِ سرہند اس مرتبہ سہارن پور سے چلنے کی آخری رات تھی، خواب میں حضرت مجدد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی زیارت ہوئی، خواب تو بڑا طویل ہے۔ اس کا یہ جز لکھوانا ہے کہ حضرت مُجدد صاحب نے خاص طور سے درود تنجینا کی تاکید فرمائی۔ یہ درود میں ''فضائلِ درود'' میں لکھ چکا ہوں۔ اس رسالے کے خاتمہ کی مناسبت سے یہاں بھی نقل کراتا ہوں۔ ''منہاج الحسنات'' میں ابنِ فاکہانی کی کتاب ''الفجر المنیر'' سے نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ و نیک صالح موسیٰ ضریر بھی تھے، انھوں نے اپنا گزرا ہوا قصہ مجھ سے نقل کیا کہ ایک جہاز ڈوبنے لگا اور میں اس میں موجود تھا۔ اس وقت مجھ کو غنودگی سی ہوئی۔ اس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ درود تعلیم فرما کر ارشاد فرمایا کہ جہاز والے اس کو ایک ہزار بار پڑھیں۔ ہنوز تین سو بار پر نوبت پہنچی تھی کہ جہاز نے نجات پائی۔ اور بَعْدَ الْمَمَاتِ کے بعد إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کی اس میں پڑھنا معمول ہے اور خوب ہے۔ وہ درود یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَاةً تُنَجِّيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْأَهْوَالِ وَالْآفَاتِ، وَتَقْضِيْ لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ، وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّئَاتِ، وَتَرْفَعُنَا بِهَا أَعْلَى الدَّرَجَاتِ، وَتُبَلِّغُنَا بِهَا أَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ فِي الْحَيَاةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ.

اور شیخ مجد الدین صاحب قاموس نے بھی اس حکایت کو اپنی سند سے نقل کیا ہے۔ نقط۔

میرے کاتب نے بتایا کہ تو نے بھی اپنے خطوط میں یہ درود شریف کئی شخصوں کو لکھوایا اور ان کی کامیابی کی اطلاع آئی۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ نے خواب میں یہ بھی بتایا تھا کہ ہمارے سلسلے کا خاص معمول ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى أَفْضَلِ خَلْقِهٖ سَيِّدِ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ، مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ، كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ، وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ.

محمد زکریا کاندھلوی
شب ۲۱/ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ